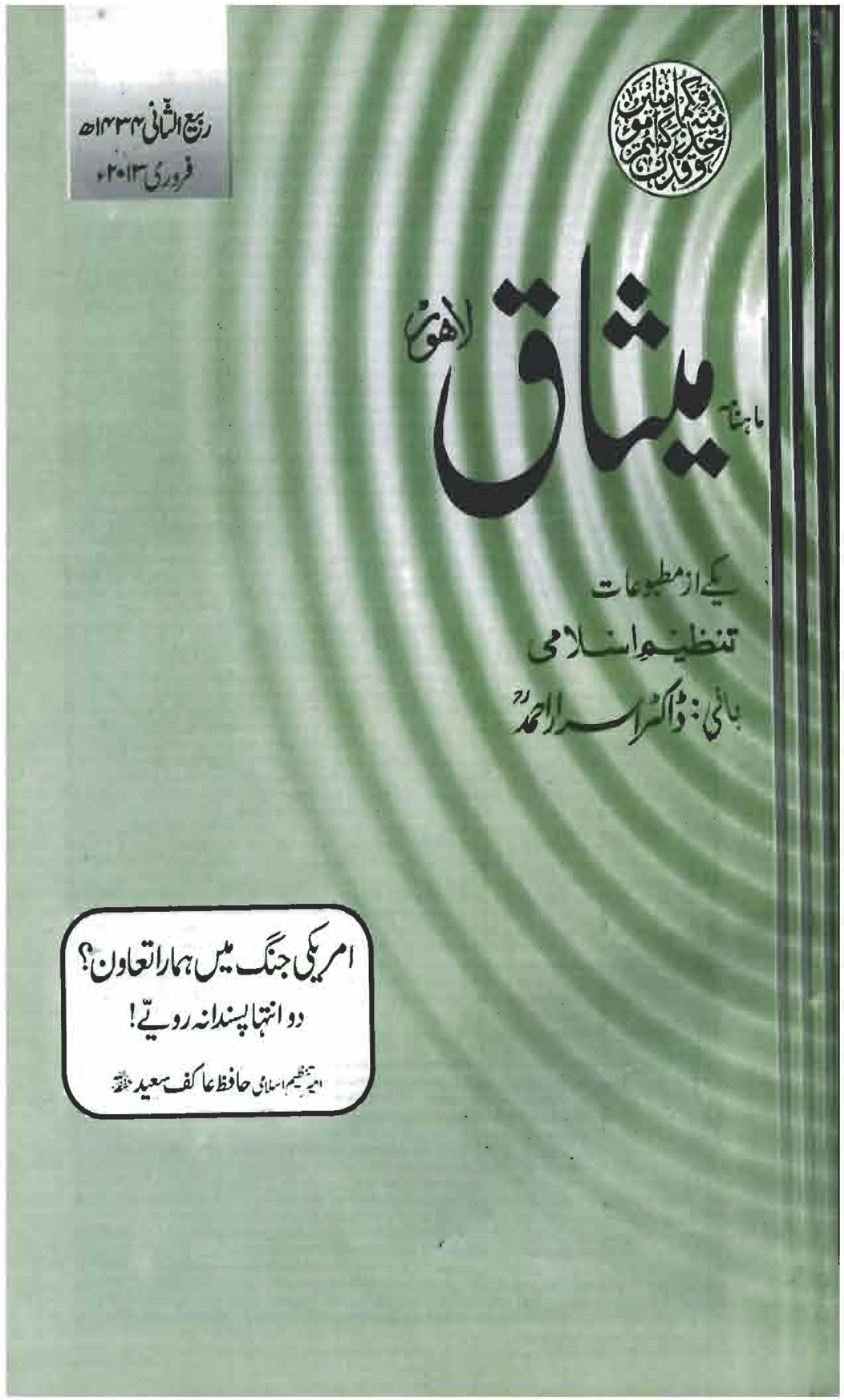

ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
فروری ۲۰۱۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟
دو انتہا پسندانہ رویّے!

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات:360، قیمت 450روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 400روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 400روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 450روپے

★ عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِيۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۫ (المائدۃ: ۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد m

جلد :	62
شمارہ :	2
ربیع الثانی	1434ھ
فروری	2013ء
فی شمارہ	25/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مجلد جدید پریس (پرائیویٹ) چگالا

مشمولات

عرضِ احوال ______ 3

غلبہ دین کی جدوجہد:
حضور اکرم ﷺ کی مستقل سنت — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن ______ 5

سورۂ ہود (آیات ۲۵ تا ۶۸) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ و تبصرہ ______ 25

امریکی جنگ میں ہمارا تعاون:
دو انتہا پسندانہ رویے! — حافظ عاکف سعید

دعوت و تحریک ______ 49

نفاذِ شریعت کے لیے طریق کار پر
ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور مفتی تقی عثمانی کا اتفاق — انجینئر نوید احمد

حسنِ عبادت ______ 59

نماز کے باطنی آداب — عتیق الرحمٰن صدیقی

تذکیر و موعظت ______ 67

☆ دنیوی اور اخروی زندگی — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
☆ سُود: انفاق فی سبیل اللہ کی ضد — حافظ محمد مشتاق ربانی — 71

بحث و نظر ______ 75

دجال کے تعاقب میں — حماد یوسف

❁ ❁ ❁

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

غلبۂ دین کی جِدّوجُہد

حضور اکرم ﷺ کی مستقل سُنّت

ربیع الاوّل میں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ پر تقاریر اور خطابات ہوتے ہیں اور اخبارات وجرائد میں سیرت النبی ﷺ پر مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک حضور ﷺ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے وقت کی قید نہیں لگائی جاسکتی۔ کون سا ماہ، دن، وقت اور گھڑی ایسی نہیں ہوتی کہ ہم آپ ﷺ پر درود وسلام بھیج کر آپ ﷺ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے اپنی دنیا اور آخرت نہ سنوار سکیں؟ سیرت کی محافل کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا کوئی نہ کوئی نیا روشن پہلو مسلمانوں کی نگاہ میں آجاتا ہے، اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ ایک بزرگ کی زبان سے یہ سن کر قلم تھرتھر کانپ رہا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان دنیا کی کسی بھی زبان میں آپ ﷺ کی ثنا خوانی کرے، آپ ﷺ کی صفات وکمالات بیان کرے، ممکن نہیں کہ اس کا حق ادا کر سکے، کیونکہ شدید خطرہ لاحق رہتا ہے کہ انسان کی محدود سوچ اور تحریر وتقریر کی محدود صلاحیت سے کہیں کوئی توہین کا پہلو نہ نکل آئے۔ ہماری رائے میں یہ بات بالکل درست ہے، اس لیے کہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام یہ کہہ کر ہتھیار ڈال دیتا ہے کہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم
کآں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است!

اور کسی شاعر نے ان الفاظ میں بھی حقیقت کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است!

کس شجر کی شاخ سے بنے گا وہ قلم اور کیسے میسّر آئے گی وہ زبان جو آپ ﷺ کے

اوصافِ حمیدہ کا احاطہ کر سکے! —— طائف میں سخت ترین دن گزار کر خون آلود جوتیوں کو بمشکل پاؤں سے الگ کرتے ہوئے یہ ردِّعمل دینا کہ یہ بستی تباہ نہ ہو، شاید یہاں دین کا کوئی خادم پیدا ہو جائے۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جانا کہ وہ آج اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی۔ فتح مکہ پر عاجزی سے سر کو اتنا جھکا لینا کہ وہ گھوڑے کی گردن چھونا چاہے، اور اپنے خون کے پیاسوں اور بدترین دشمنوں کو عام معافی دینا درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت، یہ ہے وہ بشریت، جس کے آگے فرشتوں کے پاس سجدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، اگرچہ یہ اللہ ربّ العزت کے حکم سے ہوا، یہ اُسی کے بس کی بات ہے کہ وہ الحکیم العلیم اور العزیز بھی تو ہے۔ اس بزرگ کے اس صحیح انتباہ کے باوجود سمندر میں پانی کا ایک قطرہ مزید ڈالنے کی کوشش اس لیے کرنی چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں کو کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ پھر یہ کہ اس حوالہ سے تحریر وتقریر کے بعد اس پناہ گاہ میں پناہ حاصل کر لینی چاہیے کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

اُمّتِ مُسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ جس طرح ہم قرآن مجید کو چومنے چاٹنے، اسے ریشمی غلاف میں لپٹا کر اونچا رکھنے اور زیادہ سے زیادہ محض اس کی ناظرہ تلاوت کرنے کو اپنا کُل دینی فریضہ سمجھتے ہیں، اسی طرح حضور ﷺ کی ثنا خوانی اور نعت گوئی سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کی تکریم کے باوجود اس کو کتابِ ہدایت نہ سمجھیں، اسے اپنا امام نہ بنائیں، اس کے اوامر ونواہی کا خود کو پابند نہ بنائیں، اسی طرح حضور ﷺ کی ثنا خوانی تو کریں لیکن سُنّتِ رسولؐ پر عمل پیرا ہونے سے گریز کریں، آپ ﷺ کے مشن کو اپنا مشن نہ بنائیں، تو کیا ہم اللہ اور رسول ﷺ کو راضی کر سکیں گے؟ بلکہ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کیا اللہ کے غضب سے بچ سکیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے حق دار قرار پا سکیں گے؟ بلاتشبیہہ عرض کیے دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ذات تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے، چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک! کیا ایک عام شریف النفس انسان بھی پسند کرے گا کہ کوئی اس کی تعریف وتوصیف تو بہت کرے لیکن طرزِ زندگی بالکل مختلف رکھے، اس کی پسند اور ناپسند کا قطعاً کوئی لحاظ نہ کرے اور خود کو اس کی تعلیمات کا پابند نہ سمجھے؟ جس ذات کے بارے میں خالقِ کائنات اور مالکِ ارض وسما کا یہ ارشاد ہو: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ وہ انسانوں کی تعریف وتوصیف کی محتاج نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے اور نجات اس میں مضمر ہے کہ زبان درود وثنا سے تر ہو اور انسان عمل سے پہلے دیکھے کہ نبی ﷺ کی سنت کیا ہے، حدیثِ رسولؐ کیا ہے؟ باقی سب ہیچ ہے!

(باقی صفحہ 96 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ ھُود

آیات ۲۵ تا ۳۵

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۙ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ؕ
اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ
مَا نَرٰىکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ
الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ
اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِہٖ فَعُمِّیَتْ
عَلَیْکُمْ ؕ اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا ؕ اِنْ
اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَلٰکِنِّیْٓ
اَرٰىکُمْ قَوْمًا تَجْھَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُّھُمْ ؕ اَفَلَا
تَذَکَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ
مَلَکٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا ؕ اَللّٰہُ اَعْلَمُ
بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ۚ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ
جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ
اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ
اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ ؕ ھُوَ رَبُّکُمْ ۟ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ ؕ اَمْ یَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىہُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُہٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

آیت ۲۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾﴾ ’’اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف (تو آپؑ نے کہا) کہ میں تمہارے لیے ایک کھلا خبردار کر دینے والا ہوں۔‘‘

آیت ۲۶ ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾﴾ ’’کہ مت پُوجو کسی کو سوائے اللہ کے۔ مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دردناک دن کے عذاب کا۔‘‘

آیت ۲۷ ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا نَرٰىکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ ’’تو اُس کی قوم کے اُن سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی کہ ہم نہیں دیکھتے (اے نوح) آپ کو مگر اپنے جیسا ایک انسان‘‘

انہوں نے کہا کہ آپ تو بالکل ہمارے جیسے انسان ہیں۔ آپ میں ہمیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی کہ ہم آپ کو اللہ کا فرستادہ مان لیں۔

﴿وَمَا نَرٰىکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ﴾ ’’اور ہم نہیں دیکھتے مگر یہ کہ آپ کی پیروی کرنے والے بظاہر ہم میں ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں۔‘‘

ہمیں بلا تامل نظر آ رہا ہے کہ چند مفلس‘ نادار اور نچلے طبقے کے لوگ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے ہیں‘ جبکہ ہمارے معاشرے کا کوئی بھی معزز اور معقول آدمی آپ سے متاثر نہیں ہوا۔

﴿وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ’’اور ہمیں نظر نہیں آتی اپنے مقابلے میں تم لوگوں میں کوئی بھی فضیلت‘ بلکہ ہمارا گمان تو یہی ہے کہ تم لوگ جھوٹے ہو۔‘‘

آیت ۲۸ ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ ’’نوحؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا غور کرو اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا‘‘

یہ لفظ بَیِّنَۃ اس سورت میں بار بار آئے گا۔ یعنی میں نے اپنی زندگی تمہارے درمیان گزاری ہے‘ میرا کردار‘ میرا اخلاق اور میرا رویہ‘ سب کچھ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تم لوگ جانتے ہو کہ میں ایک شریف النفس اور سلیم الفطرت انسان ہوں۔ لہٰذا تم لوگ غور کرو کہ پہلے بھی اگر میں ایسی شخصیت کا حامل انسان تھا:

﴿وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ﴾ ''اور (اب) اُس نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا فرما دی ہے (اور یہ وہ چیز ہے) جس کو تمہاری نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔''

یعنی میرے اوپر اللہ کی رحمت سے وحی آتی ہے جس کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک تم لوگ نہیں کر سکتے۔ میں اس کے بارے میں تم لوگوں کو بتا ہی سکتا ہوں' دکھا تو نہیں سکتا۔

﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''تو کیا ہم چپکا دیں تم پر اس کو (زبردستی) جبکہ تم لوگ اس کو ناپسند کرتے ہو؟''

اب اگر ایک بات آپ لوگوں کو پسند نہیں آ رہی تو ہم زبردستی اس کو تمہارے سر نہیں تھوپ سکتے۔ ہم آپ لوگوں کو مجبور تو نہیں کر سکتے کہ آپ ضرور ہی اللہ کو اپنا معبود اور مجھے اس کا رسول مانو۔

آیت ۲۹ ﴿وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ؕ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس کے بدلے کوئی مال طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے' اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں۔''

جن لوگوں کے بارے میں تم کہتے ہو کہ وہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں' وہ سب اہلِ ایمان ہیں' اور اس لحاظ سے میرے نزدیک وہ بہت اہم اور معزز لوگ ہیں۔ اب میں تمہارے کہنے پر ان کو خود سے دور نہیں ہٹا سکتا۔

﴿اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''وہ یقیناً اپنے رب سے ملنے والے ہیں' لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت میں مبتلا ہو گئے ہو۔''

آیت ۳۰ ﴿وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! (ذرا سوچو کہ) اگر میں ان کو اپنے ہاں سے بھگا دوں گا تو کون میری مدد کرے گا اللہ کے مقابلے میں؟''

یہ سب سچے مؤمنین' اللہ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعائیں مانگنے والے لوگ ہیں۔ اگر میں تمہارے کہنے پر ان کو دھتکار دوں تو اللہ کی ناراضگی سے مجھے کون بچائے گا۔

﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''تو کیا تم لوگ نصیحت اخذ نہیں کرتے؟''

آیت ۳۱ ﴿وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ﴾ ''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں''

میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ اللہ کے خزانوں پر میرا اختیار ہے۔ یہ وہی بات ہے جو ہم سورۃ الانعام آیت ۵۰ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ﴾ ''اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں' اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں''

﴿وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ﴾ ''اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر دیکھ رہی ہیں کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا۔''

کیا معلوم اللہ کے ہاں وہ بہت محبوب ہوں' اللہ انہیں بہت بلند مراتب عطا کرے اور اُخروی زندگی میں ﴿فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴿۸۹﴾﴾ (الواقعہ) کا مستحق ٹھہرائے۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' (اگر میں اُن کو دور کر دوں) تب تو یقیناً میں خود ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔''

یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اپنے ایمان کے دعوے میں کتنا مخلص ہے اور کس کے دل میں اللہ کے لیے کتنی محبت ہے۔ اگر میں تمہارے طعنوں سے تنگ آ کر ان اہل ایمان کو اپنے پاس سے اٹھا دوں تو میرا شمار ظالموں میں ہوگا۔

آیت ۳۲ ﴿قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ ''انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور خوب جھگڑا کیا''

جب حضرت نوح علیہ السلام کی ان تمام باتوں کا علمی' عقلی اور منطقی سطح پر کوئی جواب ان لوگوں سے نہ بن پڑا تو وہ خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے کہ بس جی بہت ہو گیا بحث مباحثہ' اب چھوڑیں ان دلیلوں کو اور:

﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''پس لے آؤ ہم پر وہ عذاب

جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔‘‘

آیت ۳۳ ﴿قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۝۳۳﴾ ’’آپؑ نے فرمایا کہ وہ (عذاب) تو اللہ ہی لائے گا تمہارے اوپر اگر وہ چاہے گا اور پھر تم اس کو شکست نہیں دے سکو گے۔‘‘

اگر اس نے تمہیں عذاب دینے کا فیصلہ کر لیا تو پھر تم لوگ اس کا مقابلہ کر کے اس کے عذاب سے بچ کر بھاگ نہیں سکو گے۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ﴾ ’’اور تم لوگوں کو میری نصیحت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں تمہیں نصیحت کرنا بھی چاہوں اگر اللہ ہی تمہاری گمراہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔‘‘

اگر تمہاری اس خواہ مخواہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث اللہ نے تمہاری گمراہی کے فیصلے پر مہر ثبت کر دی ہو تو پھر میری نصیحت اور خیر خواہی تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی۔

﴿هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۳۴﴾ ’’وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ۝۳۵﴾ ’’کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے؟ آپؐ کہیے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو اس کا وبال مجھ ہی پر آئے گا اور میں بری ہوں اس سے جو جرم تم کر رہے ہو۔‘‘

یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے درمیان آ گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ تمام باتیں جو ہم آپؐ کو بذریعہ وحی بتاتے ہیں جیسے حضرت نوحؑ اور آپؐ کی قوم کی گفت و شنید نقل ہوئی تو مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں اور قصے آپؐ خود اپنی طرف سے بنا کر انہیں سناتے ہیں۔ آپؐ ان پر واضح کر دیں کہ میں اگر واقعی یہ جرم کر رہا ہوں تو اس کا وبال بھی مجھ ہی پر آئے گا۔ مگر آپ لوگ اس کے دوسرے پہلو پر بھی غور کریں کہ اگر یہ کلام واقعی اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو جھٹلا کر تم لوگ جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو اس کے نتائج بھی پھر تم لوگوں کو ہی بھگتنا ہیں۔ بہر حال میں علی

الاعلان کہے دیتا ہوں کہ میں تمہارے اس جرم سے بالکل بری ہوں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کا سلسلہ دوبارہ وہیں سے جوڑا جا رہا ہے۔

آیات ۳۶ تا ۴۹

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ۬ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ۝ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ۝ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۫ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

اَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

آیت ۳۶ ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور وحی کر دی گئی نوحؑ کی طرف کہ اب کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا تمہاری قوم میں سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں' تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں آپؐ اس کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔''

آیت ۳۷ ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ ''اور (اب) آپؐ کشتی بنایئے ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری ہدایات کے مطابق''

اس حکم سے یوں لگتا ہے کہ کشتی کی تیاری کے ہر مرحلے پر حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات مل رہی تھیں' مثلاً لمبائی اتنی ہو' چوڑائی اتنی ہو' لکڑیاں یوں تیار کرو' وغیرہ۔

﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ﴾ ''اور جو ظالم ہیں ان کے بارے میں اب مجھ سے بات نہ کیجیے گا۔''

اب ان منکرین میں سے کسی کے بارے میں کوئی درخواست' دعا یا سفارش وغیرہ آپ کی طرف سے نہ آئے' اب اس کا وقت گزر چکا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''(اب) یہ سب کے سب غرق کیے جائیں گے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ﴾ ''اور آپؑ کشتی بنا رہے تھے' اور جب بھی آپؑ کے پاس سے گزرتے آپؑ کی قوم کے سردار تو وہ آپؑ کا مذاق اڑاتے۔''

حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے اہل ایمان ساتھی جس جگہ اور جس علاقے میں یہ کشتی بنا رہے تھے ظاہر ہے کہ وہاں ہر طرف خشکی ہی خشکی تھی' سمندر یا دریا کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ ان حالات میں تصور کریں کہ کیا کیا باتیں اور کیسے کیسے تمسخر آمیز فقرے کہے جاتے ہوں گے کہ اب تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بالکل ہی مت ماری گئی ہے کہ خشکی پر کشتی چلانے کا ارادہ ہے!

﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''نوحؑ فرماتے کہ اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کر رہے ہو تو (وہ وقت قریب آنے والا ہے کہ) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے کہ اب تم تمسخر کر رہے ہو۔''

آیت ۳۹ ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾﴾ ''تو عنقریب تم جان لوگے کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اسے رسوا کر دے گا' اور کس پر اترتا ہے وہ عذاب جو قائم رہنے والا (دائمی) ہوگا۔''

آیت ۴۰ ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ﴾ ''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور جوش سے اُبل پڑا''

مشرقِ وسطیٰ کے اس پورے علاقے میں ایک بہت بڑے سیلاب کے واضح آثار بھی ملتے ہیں' اس بارے میں تاریخی شہادتیں بھی موجود ہیں اور آج کا علم طبقات الارض (Geology) بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ H.G.Wells نے اس سیلاب کی تاویل یوں کی ہے کہ یہ علاقہ بحیرۂ روم (Mediterranean) کی سطح سے بہت نیچا تھا' مگر سمندر کے مشرقی ساحل یعنی شام اور فلسطین کے ساتھ ساتھ موجود پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے سمندر کا پانی خشکی کی طرف نہیں آ سکتا تھا۔ (جیسے کراچی کے بعض علاقوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سطح سمندر سے بہت نیچے ہیں مگر ساحلی علاقہ کی سطح چونکہ بلند ہے اس لیے سمندر کا پانی اس طرف نہیں آ سکتا۔) H.G.Wells کا خیال ہے کہ اس علاقے میں سمندر سے کسی وجہ سے پانی کے لیے کوئی راستہ بن گیا ہوگا جس کی وجہ سے یہ پورا علاقہ سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔ قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق اس سیلاب کا آغاز ایک خاص تنور سے ہوا تھا جس کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی آسمان سے غیر معمولی انداز میں لگاتار بارشیں ہوئیں اور زمین نے بھی اپنے چشموں کے دہانے کھول دیے۔ پھر آسمان اور زمین کے یہ دونوں پانی مل کر عظیم سیلاب کی صورت اختیار کر گئے۔ سورۃ القمر میں اس کی تفصیل بایں الفاظ بیان کی گئی ہے:

﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾﴾

''پس ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے جن سے لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین کو پھاڑ دیا کہ ہر طرف چشمے پھوٹ پڑے اور یہ دونوں طرح کے پانی اُس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گئے جو مقدر کر دیا گیا تھا۔''

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ ''ہم نے کہا: (اے نوح علیہ السلام!) اپنی اس کشتی میں تمام جانداروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو اور اپنے اہل وعیال کو بھی' سوائے ان کے جن کے بارے میں پہلے حکم گزر چکا ہے''

یہ استثنائی حکم حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور آپؑ کے بیٹے ''یام'' (کنعان) کے بارے میں تھا' جو اُسی بیوی سے تھا' جبکہ آپؑ کے تین بیٹے حام' سام اور یافث ایمان لا چکے تھے اور آپؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ حضرت سام اور ان کی اولاد بعد میں اسی علاقے میں آباد ہوئی تھی۔ چنانچہ قومِ عاد' قومِ ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی النسل تھے۔ حام اور یافث دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں میں ان کی نسل بھی آگے چلی۔

﴿وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ ''اور ان لوگوں کو بھی (سوار کر لیں) جو ایمان لائے ہیں' اور نہیں ایمان لائے تھے آپؑ کے ساتھ مگر بہت ہی کم۔''

یہاں پر لفظ قلیل انگریزی محاورہ "the little" کے ہم معنی ہے' یعنی بہت ہی تھوڑے' نہ ہونے کے برابر۔

آیت ۴۱ ﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ﴾ ''اور نوحؑ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ اس میں' اللہ کے نام کے ساتھ ہی ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا لنگر انداز ہونا بھی۔''

جب تک اللہ چاہے گا اور جس سمت کو اسے چلائے گا یہ چلے گی اور جب اور جہاں اُس کی مشیت ہوگی یہ لنگر انداز ہو جائے گی۔

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''یقیناً میرا رب بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۡ﴾ ''اور وہ چل رہی تھی ان سب کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان سے''

﴿وَنَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور نوحؑ نے پکارا اپنے بیٹے کو اور وہ ایک کنارے کی طرف تھا' کہ اے میرے بیٹے آؤ ہمارے ساتھ (کشتی میں) سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت رہو۔''

آیت ۴۳ ﴿قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ﴾ ''اُس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔''

﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ﴾ ''نوحؑ نے کہا: آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں ہے اللہ کے امر سے' سوائے اُس کے جس پر اللہ ہی رحم فرما دے۔''

﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ﴾ ''اور حائل ہو گئی ان دونوں کے درمیان ایک موج اور وہ ہو گیا غرق ہونے والوں میں۔''

اسی گفتگو کے دوران ایک بڑی موج آئی اور اس کی زد میں آ کر آپؑ کی نظروں کے سامنے آپؑ کا وہ بیٹا غرق ہو گیا۔

آیت ۴۴ ﴿وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ﴾ ''اور حکم ہوا کہ اے زمین تُو اپنے پانی کو نگل جا''

زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تو اپنے اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس عمل میں کتنا وقت لگا ہوگا۔ بہرحال حکم الٰہی کے مطابق پانی زمین میں جذب ہو گیا۔

﴿وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاۗءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾ ''اور اے آسمان تو بھی اب تھم جا' اور پانی سکھا دیا گیا' اور فیصلہ چکا دیا گیا''

﴿وَاسْتَوَتْ عَلَي الْجُوْدِيِّ﴾ ''اور کشتی جُودی پہاڑ پر جا ٹھہری''

کوہِ ارارات میں ''جُودی'' ایک چوٹی کا نام ہے۔ یہ دشوار گزار پہاڑی سلسلہ آذربائیجان کے علاقے اور ترکی کی سرحد کے قریب ہے۔ کسی زمانے میں ایک ایسی خبر بھی مشہور ہوئی تھی کہ اس پہاڑی سلسلہ کی ایک چوٹی پر کسی جہاز کے پائیلٹ نے کوئی کشتی نما چیز دیکھی تھی۔ بہرحال قرآن کا فرمان ہے کہ ہم اس کشتی کو محفوظ رکھیں گے اور ایک زمانے میں یہ نشانی بن کر دنیا کے سامنے آئے گی (العنکبوت:۱۵)۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشتی اب بھی کوہِ جودی کی چوٹی پر موجود ہے اور ایک وقت آئے گا جب انسان اس تک رسائی حاصل کر لے گا۔

﴿وَقِيۡلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ ''اور کہہ دیا گیا دُوری (ہلاکت) ہے اُس قوم کے لیے جو ظالم تھی۔''

یعنی اس قوم کا نام ونشان مٹا کر ہمیشہ کے لیے اسے نسیاً منسیاً کر دیا گیا۔

آیت ۴۵ ﴿وَنَادٰى نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِىۡ مِنۡ اَهۡلِىۡ﴾ ''اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا''

﴿وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ﴾ ''اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تُو تمام حاکموں میں سب سے بڑا اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا حاکم ہے۔''

پروردگار! تو نے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے اہل کو بچالے گا' جبکہ میرا بیٹا تو میری آنکھوں کے سامنے ڈوب گیا۔

آیت ۴۶ ﴿قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ ۖ﴾ ''اللہ نے فرمایا کہ اے نوحؑ! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے' اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔''

اُس کے نظریات' اُس کے عقائد' اُس کا کردار سب کافرانہ تھے۔ وہ آپ کے اہل میں کیسے شمار ہو سکتا ہے؟ نبی کا گھرانا صرف نسب سے نہیں بنتا بلکہ ایمان وعمل صالح سے بنتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے نسبی خاندان کا ایک رکن ہونے کے علی الرغم آپ کے ایمانی واخلاقی خاندان کا فرد نہیں تھا۔

﴿فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ﴾ ''تو آپؑ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کریں جس کے بارے میں آپؑ کو علم نہیں۔''

﴿اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ﴾ ''میں آپؑ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپؑ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنیں۔''

یہ بہت سخت انداز ہے۔ یاد کیجیے کہ سورۃ الانعام کی آیت ۳۵ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اس طرح کے الفاظ فرمائے گئے ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـئَلَكَ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ﴾ ''نوحؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں ہے۔''

﴿وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ﴾ ''اور اگر تو نے مجھے معاف نہ فرما دیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں ہو جاؤں گا خسارہ پانے والوں میں۔''

آیت ۴۸ ﴿قِيۡلَ يٰنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ‌ ؕ﴾ ''حکم ہوا اے نوحؑ اُتر جاؤ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ' جو آپؑ پر بھی ہوں گی اور اُن اُمتوں پر بھی جو آپؑ کے ساتھیوں کی نسلوں سے وجود میں آئیں گی۔''

عام خیال یہی ہے کہ اس طوفان کے بعد نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے ان تینوں بیٹوں سے چلی تھی۔ اس سلسلے میں ماہرین علم الانساب کی مختلف آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؑ کے بیٹے حضرت سام اس علاقے میں آباد ہو گئے' جبکہ حضرت یافث کی اولاد وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے روس کے میدانی علاقوں میں جا بسی۔ پھر وہاں سے ان میں سے کچھ لوگ صحرائے گوبی کو عبور کر کے چین کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ وسطی ایشیا کے ممالک سے لے کر چین' اس کے ملحقہ علاقوں اور پورے یورپ میں اسی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ ان کے علاوہ Anglo Saxons اور شمالی اقوام کے لوگ بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسری طرف حضرت حام کی نسل کے کچھ لوگ مشرق کی طرف کوچ کر کے ایران اور پھر ہندوستان میں آ بسے۔ جبکہ ان میں سے بعض دوسرے قبائل جزیرہ نمائے سینا کو عبور کر کے مغرب میں سوڈان اور مصر کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ آریائی اقوام' رومن' جرمن' یونانی اور مشرقی یورپ کے تمام لوگ حضرت حام ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں' واللہ اعلم۔

﴿وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ ''اور کچھ اور قومیں (بھی ہوں گی) جنہیں ہم (دنیا کے) کچھ فوائد دیں گے' پھر اُن کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آ پکڑے گا۔''

جیسا کہ بعد میں قومِ عاد اور قومِ ثمود پر عذاب آیا ہے۔

آیت ۴۹ ﴿تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ‌ ۚ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔''

﴿مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا‌ ۛؕ﴾ ''اس سے پہلے نہ آپؐ ان کو جانتے تھے اور نہ آپؐ کی قوم۔''

﴿فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾﴾ ''تو آپؐ صبر کیجیے' یقیناً انجام کار بھلا ہو گا اہلِ تقویٰ ہی کا۔''

آپؐ ہمت اور صبر واستقامت کے ساتھ اپنا کام کیے چلے جائیں۔ یقیناً انجامِ کار کی کامیابی اہلِ تقویٰ ہی کے لیے ہے۔

آیات ۵۰ تا ۶۰

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي
الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ
يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ
قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا
بِسُوْۗءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ۙ مِنْ دُوْنِهٖ
فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَي اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ
دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا
تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا
هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٨﴾
وَتِلْكَ عَادٌ ڗ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ
عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا
رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾ۧ

آیت ۵۰ ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ﴾ ''اور قومِ عاد کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے

بھائی ہودؑ کو۔''

قومِ عاد حضرت سام کی نسل سے تھی۔ یہ قوم اپنے زمانے میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں آباد تھی۔ آج کل یہ علاقہ لق ودق صحرا ہے۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾﴾ ''آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو' تمہارا کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ (اس سلسلے میں) تم محض جھوٹ گھڑتے ہو۔''

یہ جو تم نے مختلف ناموں سے معبود گھڑ رکھے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے' یہ تم محض افترا کر رہے ہو۔

آیت ۵۱ ﴿يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اسی کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۵۲ ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے استغفار کرو' پھر اسی کی طرف رجوع کرو'

شرک' بت پرستی کو چھوڑ دو اور اللہ سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگو۔

﴿يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾﴾ ''وہ آسمان سے تم پر خوب پانی برسائے گا' اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمائے گا' اور تم روگردانی نہ کرو مجرم بن کر۔''

قرآن حکیم کے کئی مقامات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف اپنا رسول اپنے پیغام کے ساتھ بھیجتا ہے تو اب اس قوم کی قسمت اس پیغام کے ساتھ معلق ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قوم رسول پر ایمان لے آتی ہے اور اس پیغام کو قبول کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے' بصورتِ دیگر اسے تباہ وبرباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۵۳ ﴿قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آئے''

یعنی آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو اس کے ثبوت کے طور پر آپ

کے پاس کوئی کھلی نشانی‘ سند یا معجزہ نہیں ہے۔

﴿وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ﴾ ’’اور ہم نہیں ہیں چھوڑنے والے اپنے معبودوں کو صرف تمہارے کہنے پر‘ اور ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔‘‘

آیت ۵۴ ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ ’’ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔‘‘

یعنی ہمارا خیال تو یہی ہے کہ آپ جو ہمارے معبودوں کا انکار کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے آپ کو ان کی طرف سے سزا ملی ہے اور آپ کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ اسی لیے آپ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں۔

﴿قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ ’’ہودؑ نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری ہوں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو اُس کے سوا‘‘

میں تمہارے ان جھوٹے معبودوں اور تمہارے شرک کے اس جرم سے بالکل بری اور بیزار ہوں۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمائی تھی۔

آیت ۵۵ ﴿فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ﴾ ’’پس تم سب مل کر میرے خلاف جو چالیں چل سکتے ہو چل لو‘ پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔‘‘

آیت ۵۶ ﴿اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ﴾ ’’میں نے تو توکّل کیا ہے اللہ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔‘‘

﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا﴾ ’’نہیں ہے کوئی بھی جاندار مگر اس کی پیشانی اُسی کی گرفت میں ہے۔‘‘

یعنی ہر جاندار کی قسمت اور تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور ﷺ سے بھی ایک مشہور دعا میں یہ الفاظ منقول ہیں: ((فِیْ قَبْضَتِكَ‘ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ))(۱) یعنی اے اللہ! میں تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہوں‘ میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

(۱) رواہ رزین ۔ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح‘ کتاب الدعوات‘ باب الدعوات فی الاوقات۔

﴿اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ ’’یقیناً میرا ربّ تو سیدھی راہ پر ہے۔‘‘

اگر اللہ تک رسائی حاصل کرنی ہے‘ اگر اسے پانا ہے تو وہ توحید اور عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہی ملے گا۔

آیت ۵۷ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ﴾ ’’پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو (انکار کرو) تو میں نے پہنچا دیا ہے تمہیں (وہ پیغام) جو مجھے دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔‘‘

﴿وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾ ’’اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا‘ اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکو گے۔ یقیناً میرا ربّ ہر چیز پر نگہبان ہے۔‘‘

آیت ۵۸ ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ ’’اور جب ہمارا (عذاب کا) فیصلہ آ گیا تو ہم نے بچا لیا ہودؑ کو اور آپؑ کے اہل ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے۔‘‘

﴿وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ﴾ ’’اور ہم نے انہیں نجات دے دی ایک بہت ہی بھاری عذاب سے۔‘‘

آیت ۵۹ ﴿وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ﴾ ’’یہ تھی قومِ عادؑ جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور نافرمانی کی اُس کے رسولوں کی‘‘

یہاں پر اُن تمام انبیاء کو بھی رسول کہا گیا ہے جو حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے اس قوم میں مبعوث ہوئے۔ اکثر اس طرح ہوتا رہا ہے کہ کسی قوم میں پہلے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام ان کے معلمین کی حیثیت سے آتے رہے اور پھر آخر میں ایک رسولؑ آیا۔ اور جیسا کہ قبل ازیں بھی نبی اور رسول کے فرق کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ قرآن میں یہ دونوں الفاظ اگر الگ الگ آئیں تو ایک دوسرے کی جگہ پر آ سکتے ہیں‘ لیکن اگر یہ دونوں الفاظ اکٹھے ایک جگہ آئیں تو پھر ان میں سے ہر لفظ اپنے خاص معنی دیتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ﴾ ’’اور انہوں نے پیروی کی ہر سرکش و دشمنِ حق کے حکم کی۔‘‘

آیت ۶۰ ﴿وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ﴾ ''اوران کے پیچھے لگا دی گئی لعنت اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن (کے لیے) بھی۔''

﴿اَلَآ اِنَّ عَادًا کَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ' قومِ عاد نے اپنے رب کا کفر کیا تھا۔ سن لو' پھٹکار ہے عاد پر جو قومِ ہودؑ تھی!''

آیات ۶۱ تا ۶۸

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ
هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ
رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ
نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ یٰقَوْمِ
اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ
اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿۶۳﴾ وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَکُمْ
اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ
قَرِیْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ وَعْدٌ غَیْرُ
مَکْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا
الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۶۷﴾ کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا
کَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

آیت ۶۱ ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ﴾ ''اور ثمود کی طرف (ہم نے بھیجا) اُن کے بھائی صالح کو۔''

قومِ عاد میں سے جو لوگ بچے تھے وہ اپنے علاقے سے آگے وسطی علاقے کی طرف جا کر ''حجر'' میں آباد ہوئے اور اُن لوگوں کی نسل میں سے ثمود نام کی ایک بڑی قوم ابھری۔ پھر

وقت کے ساتھ ساتھ جب اس قوم کے اندر بھی وہی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور وہ لوگ بھی جب بت پرستی اور شرک کی لعنت میں مبتلا ہو گئے تو اُن کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا نہیں ہے۔''

﴿هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ﴾ ''اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو آباد کیا' تو اس سے اپنے گناہ بخشواؤ' پھر اُسی کی جناب میں رجوع کرو۔''

﴿اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿۶۱﴾﴾ ''یقیناً میرا ربّ قریب ہے اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ ''انہوں نے کہ اے صالح! آپ سے تو ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے''

یعنی آپ تو اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے پوری قوم کی امیدوں کا مرکز تھے۔ ہمیں تو توقع تھی کہ آپ اپنی صلاحیتوں کے سبب اپنے آباء و اَجداد اور پوری قوم کا نام روشن کریں گے' مگر آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے تو اپنے باپ دادا کے دین اور ان کے طور طریقوں پر ہی تنقید شروع کر دی۔ آپ کی ان باتوں سے تو پوری قوم کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔

﴿اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۶۲﴾﴾ ''کیا آپ ہمیں روک رہے ہیں ان کو پوجنے سے جن کو ہمارے آباء و اَجداد پُوجتے تھے؟ اور یقیناً جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے بارے میں ہمیں بہت شکوک و شبہات ہیں۔''

آپ کی اس دعوتِ توحید کے بارے میں ہمیں سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال دیا ہے۔ ہمارا دل آپ کی اس دعوت پر مطمئن نہیں ہے۔

آیت ۶۳ ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ ''صالحؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا سوچو تو سہی' اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے

بیّنہ پر تھا‘‘

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی وہی بات کہی کہ دیکھو میری گزشتہ زندگی تمہارے سامنے ہے۔ میرا کردار اور میرا اخلاق گواہ ہے کہ میں اس سے پہلے تمہارے معاشرے کا ایک صالح کردار اور سلیم الفطرت انسان تھا۔

﴿وَاٰتٰنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ ’’اور اللہ نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا کر دی‘‘

اور اب میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی بھی آ گئی ہے‘ اللہ نے اپنی رحمتِ خاص سے مجھے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے۔

﴿فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿۶۳﴾﴾ ’’تو اب اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے کون بچائے گا؟ تم تو اضافہ نہیں کرو گے میرے لیے مگر خسارہ ہی میں!‘‘

یعنی اگر میں اپنی فطرتِ سلیم اور وحی الٰہی کی راہنمائی کے باوجود اس دعوتِ حق کو چھوڑ کر تمہیں خوش کرنے کے لیے گمراہی کا طریقہ اختیار کر لوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچائے گا؟ تمہاری اس طرح کی باتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ میری تباہی کے درپے ہو۔

آیت ۶۴ ﴿وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ ’’اور (دیکھو) میری قوم کے لوگو! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے‘ اسے چھوڑے رکھو کہ یہ چرتی پھرے اللہ کی زمین میں‘‘

﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ﴿۶۴﴾﴾ ’’اور (دیکھنا) کسی برے ارادے سے اسے ہاتھ نہ لگانا‘ ورنہ تمہیں آ پکڑے گا ایک قریبی عذاب۔‘‘

وہ عذاب اب دور نہیں ہے اور اسے آتے کچھ دیر نہ لگے گی۔

آیت ۶۵ ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ ’’تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں‘‘

انہوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔

﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾﴾

’’تو صالحؑ نے فرمایا: اب تم اپنے گھروں میں تین دن تک رہ بس لو۔ یہ وہ وعدہ ہے جو

جھوٹا ثابت نہیں ہو گا۔‘‘

آیت ۶۶ ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ ’’تو جب ہمارا فیصلہ آ گیا تو ہم نے نجات دی صالحؑ کو اور ان کو جو آپؑ کے ساتھ ایمان لائے تھے‘ اپنی رحمت سے‘‘

﴿وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۶۶﴾﴾ ’’اور اُس دن کی رسوائی سے (انہیں بچا لیا)۔ یقیناً آپؐ کا پروردگار بہت طاقتور‘ زبردست ہے۔‘‘

آیت ۶۷ ﴿وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۶۷﴾﴾

’’اور ان ظالموں کو پکڑ لیا ایک چنگھاڑ نے تو وہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے رہ گئے۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ﴾ ’’گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہیں تھے۔‘‘

﴿اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ‘ یقیناً ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا۔ آگاہ ہو جاؤ پھٹکار ہے ثمود پر!‘‘

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو‘ ویڈیو کیسٹس‘ سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟

دو انتہا پسندانہ رویّے!

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام ۶ / جنوری ۲۰۱۳ء کو قرآن آڈیٹوریم میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا‘ جس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ نے ’’امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟ دو انتہا پسندانہ رویّے!‘‘ کے عنوان سے خصوصی خطاب فرمایا۔ شعبہ مطبوعات‘ قرآن اکیڈمی کے ادارتی معاون حافظ محمد زاہد کی ترتیب وتسوید کے بعد یہ خطاب قارئین میثاق کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَہُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَی الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوۡنَ فِیۡہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰۤی اَنۡ تُصِیۡبَنَا دَآئِرَۃٌ ؕ فَعَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ نٰدِمِیۡنَ ﴿۵۲﴾ (المائدۃ)

محترم ومعزز حضرات اور قابلِ احترام خواتین!

آج وقت کے ایک اہم‘ نازک اور حساس موضوع پر مجھے گفتگو کرنی ہے۔ آپ دعا کیجیے کہ اس حوالے سے قرآن وسنّت کی راہنمائی صحیح طور پر میں آپ کے سامنے پیش کر سکوں اور کسی نہ کسی درجے میں اس موضوع کا حق ادا کر سکوں۔ آج کے خطاب کا عنوان اخباری اطلاعات کے ذریعے آپ کے علم میں آ گیا ہوگا: ’’امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟ دو

انتہا پسندانہ رویّے!‘‘ اس حوالے سے سب سے پہلے مجھے امریکی جنگ کی تھوڑی سی وضاحت کرنی ہوگی۔ یہ معاملہ نائن الیون کے سانحہ یا حادثہ کے بعد شروع ہوا۔ یہ وہ موقع تھا جب ہم قومی اعتبار سے ایک بہت اہم دوراہے پر کھڑے کر دیے گئے اور ایک بہت بڑے امتحان سے دوچار ہو گئے‘ لیکن یہ یاد رکھیے کہ نائن الیون کے حادثے میں ہمارا یعنی پاکستان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ جڑواں ٹاورز (Twin Towers) ایک خاص منصوبہ بندی اور تکنیک کے تحت گرائے گئے جس میں امریکہ اور اسرائیل کی خفیہ ایجنسیاں ملوث تھیں۔ یہ واقعہ عالم اسلام کے خلاف انسانی تاریخ کی سب سے بڑی سازش تھی جس کے پیچھے evil genius یہود کا زرخیز ذہن اور ان کے ناپاک عزائم ہیں۔ یہود کے ان عزائم سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جو بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے خطابات سنتے رہے ہیں اور ان کی تصانیف وتالیف کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ مختصراً میں یہود کی تاریخ اور ان کے عزائم کا تذکرہ کیے دیتا ہوں۔

یہود کے تین بڑے عزائم

یہ لوگ ۷۰ء سے جب ٹائٹس رومی نے یروشلم پر حملہ کر کے بیت المقدس کو مسمار کیا‘ ایک لاکھ سے زائد یہودیوں کو قتل کیا اور باقی تمام یہودیوں کو جبراً یروشلم سے دیس نکالا دیا‘ ۱۹۴۸ء تک دنیا میں مارے مارے پھرتے رہے اور بالآخر ۱۹۴۸ء میں فلسطین کی ریاست قائم ہوئی۔ اس طرح اپنی تمام تر ذہانت کے باوجود تقریباً پونے انیس سو برس دنیا میں انہیں مار پڑتی رہی اور یہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے۔ ان کی سب سے بڑی دشمنی اسلام کے ساتھ ہے‘ لیکن وہ پوری نوع انسانی سے اپنے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کا انتقام لینا چاہتے ہیں اور فلسطین کی ریاست قائم کرنے کے بعد اب یہ لوگ ’’گریٹر اسرائیل‘‘ قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں —— ان کے عزائم میں سرفہرست پوری دنیا کو معاشی غلامی کے شکنجے میں کسنا ہے‘ یعنی یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں موجود تمام وسائل پر ہمارا کنٹرول ہو‘ اور بہت حد تک وہ اس میں کامیاب ہیں۔ گریٹر اسرائیل کا قیام ان کا دوسرا بڑا مقصد ہے جس کا نقشہ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر آویزاں ہے۔ اس نقشے کے مطابق پورا فلسطین‘ پورا شام‘ عراق (کم از کم دجلہ تک)‘ مصر کا زرخیز علاقہ‘ ترکی کا جنوبی حصہ اور سعودی عرب کا بھی شمالی حصہ بشمول مدینہ‘ یہ سب گریٹر اسرائیل کا حصہ بنیں گے۔ یہ لوگ مکّہ مکرّمہ کو اس میں شامل نہیں کرتے‘ جبکہ مدینہ منوّرہ کے حوالے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ مدینہ میں داخلے کی کوشش کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ مدینہ کی حفاظت فرمائیں

گے۔ان کا تیسرا بڑا مقصد ہیکلِ سلیمانی (3rd Temple) کی تعمیر ہے‘ جس کے لیے مسجد اقصیٰ کو گرانا ہوگا‘ جو مسلمانوں کے لیے ہرگز قابلِ برداشت نہیں ہوگا۔

یہ ان کے تین بڑے عزائم ہیں جس کے لیے ان کا مذہبی عنصر اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ ہماری فلسطینی ریاست اب اس قدر مستحکم ہو چکی ہے کہ ہم نے تقریباً پورے جزیرۂ عرب کو اپنے کنٹرول میں کر لیا ہے تو اب کیوں آگے نہیں بڑھتے اور اب تک مسجد اقصیٰ کو کیوں نہیں گرایا گیا؟ بہرحال مسجد اقصیٰ کو گرانے اور عظیم تر اسرائیل کے قیام کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہیں اور پھر ان میں بھی بالخصوص وہ مسلمان مجاہدین جو دین کا ایک سیاسی شعور بھی رکھتے ہیں کہ اسلام صرف چند عقائد کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو کُل زندگی پر محیط ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو دنیا کے باقی نظاموں پر غلبہ چاہتا ہے — بالفاظِ قرآنی: ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ ’’اور اللہ کا کلمہ (نظام) ہی غالب رہنے والا ہے‘‘— اور اس کے لیے جہاد اور قتال مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہودی طبقہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کے اس جہادی عناصر کو کچلنا چاہتا ہے تاکہ اُن کے لیے میدان صاف ہو جائے اور رکاوٹ کھڑی کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔ اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے نائن الیون کا ڈرامہ رچایا اور بغیر کسی ثبوت کے افغانستان پر حملہ کر دیا گیا۔ افغانستان پر حملہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نہ صرف اس سرزمین میں جہاد بالفعل زندہ ہو گیا تھا‘ بلکہ امارتِ اسلامیہ کے قیام کے بعد یہ سرزمین تو جہاد کی ایک نرسری بن گئی تھی۔ روس کے خلاف افغان مجاہدین اور پوری دنیا سے آنے والے مجاہدین نے یہاں عملاً جہاد میں حصہ لیا‘ حالانکہ اس سے پہلے جہاد عملاً منسوخ کے درجے میں تھا۔ اُس وقت بعض مسلم سکالرز ایسے بھی تھے جو اس سے فکری اعتبار سے بھی مستعفی ہو چکے تھے اور ایسے لوگ آج بھی ہیں‘ جبکہ بہت سے ایسے لوگ بھی موجود تھے جو جہاد کو دین کی ایک بہت بڑی حقیقت مانتے تھے اور جہاد کے لیے موقع کی تلاش میں تھے لیکن کوئی راہِ عمل سجھائی نہیں دیتی تھی۔ لہٰذا جب روس کے خلاف جہاد کا موقع آیا تو ہر ملک سے مجاہدین یہاں آئے۔ پھر امریکہ کی بھی حکمت عملی یہ بنی کہ مسلمان مجاہدین سے فائدہ اٹھا کر روس کو شکست دی جائے اور وہ بلاشرکت غیرے پوری دنیا پر حکمرانی کرے۔ اس خواب کو پورا کرنے کے لیے امریکہ نے دنیا بھر سے مسلمان مجاہدین کی افغانستان آمد کی حوصلہ افزائی کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روس کو تو شکست ہو گئی لیکن جہاد از سرِ نو عملاً زندہ ہو گیا۔

اس کے بعد ان مجاہدین کو ختم کرنے کے لیے امریکہ اور یہود نے سازشوں کا جال بُنا‘ جس کی وجہ سے مسلمان مجاہدین آپس میں ٹکرائے اور اپنی قوت کو انہوں نے خود ہی بہت کمزور کر لیا۔ بالآخر طالبان جو مخلص مجاہدین تھے‘ کی قوت اُبھری اور اس طرح افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور اس کے بعد یہ سرزمین جہاد کی نرسری بن گئی۔ فلپائن‘ چائنا‘ چیچنیا‘ برما‘ بنگلہ دیش الغرض پوری دنیا سے مسلمان کھنچ کر یہاں آتے اور جہاد کی ٹریننگ لیتے۔ ہمیں تو شاید یہاں معلوم نہیں تھا لیکن پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ یہ سرزمین تو جہاد کی نرسری بن گئی ہے اور یہاں سے مجاہدین ٹریننگ لے کر ساری دنیا میں جا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کے پیشِ نظر اس جہادی عنصر کو کچلنا ضروری تھا۔

نائن الیون کا ڈراما اور اس کے پس پردہ مقاصد

البتہ مسلمانوں کے اتنے بڑے پیمانے پر قتلِ عام اور مجاہدین کو کچلنے کے لیے ایک بات بے حد ضروری تھی کہ کسی بھی طرح پوری دنیا کی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کیا جائے اور مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت اور بغض کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ چنانچہ انہیں نائن الیون کا ڈرامہ رچانا پڑا اور اپنے ورلڈ ٹریڈ سینٹر (twin towers) کی قربانی دینی پڑی جو نیویارک میں ان کی عظمت اور برتری (dignity) کا ایک نشان تھے۔ (انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ کچھ مخلص عرب مجاہدین کو اس کام میں شریک کرتے ہوئے انہیں Fore front پر رکھا اور انہی پر سارا الزام لگا دیا) لیکن جو کچھ ہوا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں ان کی اپنی ہی ایجنسیوں کا ہاتھ تھا اور اب ساری دنیا جانتی ہے کہ twin towers انہوں نے خود گرائے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جس کے حتمی اور قطعی شواہد موجود ہیں اور اب اس کا انکار ایسے ہی ہے جیسے سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو اور کوئی اس کا ڈھٹائی سے انکار کر دے۔ ان کے اس ڈرامے کو سچ ثابت کرنے اور دنیا کی نظروں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے میں میڈیا نے بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ کو یاد ہے کہ الیکٹرانک میڈیا پر بار بار ایک ہی چیز دکھائی جا رہی تھی کہ ایک جہاز آیا اور اس کے ٹکرانے سے اوپر کی منزلوں میں آگ بھڑک اٹھی اور پھر کچھ دیر بعد یہ ٹاورز فری فال کی سپیڈ سے سیدھے زمین بوس ہو گئے۔ جہاز کی ٹکر سے ٹاورز کا زمین بوس ہونا ہی ثابت کر رہا ہے کہ یہ سب کچھ ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔ اس حوالے سے سائنسی ثبوت موجود ہیں اور ان کے اپنے انجینئرز کہتے ہیں کہ

محض جہاز کے ٹکرانے اور آگ بھڑکنے سے ناممکن ہے کہ یہ ٹاور سیدھے زمین بوس ہو جائیں۔ اس کے ساتھ پہلے ہی دن میڈیا میں ہر طرف اسامہ بن لادن' القاعدہ اور افغانستان کا تذکرہ شروع کر دیا گیا — الغرض میڈیا کے اس بھرپور کردار کی وجہ سے پورے عالمِ اسلام اور خاص طور پر افغانستان' اسامہ اور مسلمان مجاہدین کے خلاف ساری دنیا غیظ وغضب میں بپھر گئی۔

نائن الیون کے اس ڈرامے کا پہلا بلاواسطہ اور سب سے بڑا ٹارگٹ افغانستان سے مجاہدین اسلام اور اسلامی حکومت کا خاتمہ تھا اور اس ضمن میں بالواسطہ ٹارگٹ پاکستان بھی تھا۔ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی ع ''میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح''۔ یہود تو بہت پہلے سے پاکستان کو اپنا دشمن نمبر ایک قرار دیے ہوئے تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہی سرزمین ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن سکتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کے خاتمہ کے لیے ایک جامع منصوبہ بندی کی — اس حوالے سے ان کا دوسرا بڑا ٹارگٹ عراق تھا' اس لیے کہ انہیں پوری عرب دنیا میں سب سے بڑا خطرہ عراق اور اس کی جنگی قوت سے تھا۔ چنانچہ جب عالم اسلام کے خلاف عالمی سطح پر نفرت اور غیظ وغضب پیدا کر دیا گیا تو پہلے افغانستان پر اور پھر عراق پر حملہ کیا گیا۔ اس کے لیے جھوٹے بہانے تراشے گئے جن کا جھوٹا ہونا بعد میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔

''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا اصل ہدف صرف مسلمان ہیں

افغانستان اور عراق پر امریکی اور نیٹو فورسز کے حملوں میں لاکھوں مسلمان خاک و خون میں غلطاں ہوئے ہیں اور ہزارہا مجاہدین نے شہادت کی موت پائی ہے' لیکن عالمی ضمیر پر کوئی جوں تک نہیں رینگی' اس لیے کہ ان کے نزدیک مسلمان اب اس قابل ہیں کہ کیڑے مکوڑوں کی طرح انہیں ختم کر دیا جائے۔ یہ ماحول انہوں نے میڈیا کے بھرپور تعاون سے عالمی سطح پر پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ نائن الیون کے فوراً بعد ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' (war on terror) شروع کر دی گئی۔ اس میں بھی اصل بات جاننے کی یہ ہے کہ war on terror کا اصل ہدف کون تھا؟ اگر دیکھا جائے تو انتہا پسندی اور دہشت گردی (terrorism) تو دنیا کے بے شمار خطوں اور ملکوں میں ہے اور ہر قوم اور مذہب کے لوگ کسی نہ کسی سطح پر انتہا پسندانہ اقدام (terrorist activities) کر رہے ہیں' لیکن اس war on terror کا ہدف صرف اور صرف مسلمان تھے اور ہیں۔ اور پھر سونے پہ سہاگہ کے

مصداق لطف یہ ہے کہ طے کر دیا گیا کہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی تعریف بھی وہی معتبر قرار پائے گی جو امریکہ کرے گا۔ یہ تعریف (definition) اگرچہ مسلسل بدل رہی ہے لیکن ایک بات طے ہے کہ اس کا اصل ہدف صرف مسلمان ہیں اور اس بدلتی ہوئی تعریف کے پس منظر میں مسلمانوں کے گرد گھیرا تنگ کرنا مقصود ہے۔ اب تک یہ دہشت گردی اور دہشت گرد کی کئی ایک تعریفیں کر چکے ہیں۔ مثلاً:

(۱) جو مسلمان تمام طاغوتی طاقتوں' غیر اسلامی حکومتوں اور غیر مسلموں کے خلاف اللہ کے دین کے غلبے اور قیام کے لیے اسلحہ اٹھالے وہ دہشت گرد ہے۔

(۲) بعد میں اس کو وسعت دے کر یہ کہا گیا کہ وہ مسلمان جو اسلام کے سیاسی غلبہ کا تصور رکھتے ہیں اور دین کو قائم اور غالب دیکھنا چاہتے ہیں وہ بھی دہشت گرد ہیں۔

(۳) حامد میر نے چند سال پہلے اپنے ایک کالم میں لکھا تھا کہ وہ لاس ویگس میں ہونے والی اُس کانفرنس میں خود شریک تھے جس میں ان کے تھنک ٹینکس بیٹھے اپنی کارکردگی کا جائزہ لے رہے تھے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہم نے کہاں تک کامیابی حاصل کی اور مستقبل میں ہم نے کہاں تک آگے جانا ہے۔ اس کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ سے ہر مسلمان جو اس قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہو وہ ہمارے نزدیک دہشت گرد شمار ہوگا' اس لیے کہ اس قرآن میں جہاد وقتال کا حکم ہے — بہرکیف یہ جنگ مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف ہے اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے درجہ بدرجہ سب سے پہلے ٹارگٹ تو وہ مسلمان ہیں جنہوں نے ہتھیار پہلے سے اٹھا رکھے ہیں۔ دوسرے نمبر پر وہ مسلمان ہیں جو یہ تصور رکھتے ہیں کہ جب انہیں موقع ملے گا تو وہ اللہ کے دین کو قائم اور غالب کریں گے اور اس کے لیے قوت کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس سے آگے بڑھ کر تیسرے نمبر پر ان کا نشانہ ہر وہ کلمہ گو مسلمان ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہے۔ اس حوالے سے اب گویا مسلمان کے لیے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ صاف طور پر قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دے۔ (معاذ اللہ!)

امریکی جنگ میں تعاون کا پرویزی فیصلہ: ایک انتہا پسندانہ رویّہ

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ یاد رکھیں کہ مسلمانوں کے خلاف اس سازش کا اوّلین کردار اور ماسٹر مائنڈ یہودی طبقہ ہے' جبکہ امریکہ ایک بدمست ہاتھی کی مانند ان کے اشاروں پر ناچ رہا ہے' بلکہ ناچنے پر مجبور ہے' اس لیے کہ اس کی رگِ جان یہود کے پنجے میں

ہے۔ اس طرح سامنے تو امریکہ' نیٹو اور نیٹو فورسز ہیں جبکہ پیچھے سے انہیں دھکیلنے والی اصل طاقت یہود (Jews) کی ہے۔ چنانچہ امریکہ کو اپنے آقاؤں کی جانب سے افغانستان اور بالواسطہ (indirectly) پاکستان کو ٹارگٹ کرنے کا حکم نامہ ملا اور عالمی طاغوتی طاقت نے افغانستان کے خلاف جنگ میں دھمکی آمیز لہجے میں ہم سے تعاون کا تقاضا کیا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اس وقت قیادت ایک آمر مطلق جرنیل کے پاس تھی جو ایک ہی دھمکی میں ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس کی تفصیل اس وقت کے امریکن چیف جنرل ٹومی فرینک نے اپنی یادداشت میں لکھی ہے کہ ہم نے مشرف حکومت کے سامنے مطالبات کی ایک طویل فہرست رکھی اور ہم توقع کر رہے تھے کہ وہ مزاحمت تو کرے گا لیکن کچھ نہ کچھ ہمارے مطالبات بھی بالآخر مان ہی لے گا لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہمارے سارے کے سارے مطالبات مان لیے گئے۔ یہ ہے سجدہ ریز ہونے کی انتہا! گویا ع ''دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا!''

اس سجدہ ریزی کے بعد ہم اُس جنگ میں امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی بن گئے جس کا اوّلین مقصد افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کر کے وہاں موجود جہادی عنصر کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا تھا۔ پھر ان میں بھی بالخصوص عرب مجاہدین کا قلع قمع کرنا ان کی ترجیح اول تھا' اس لیے کہ یہی وہ عناصر تھے جن سے یہودی طبقہ سب سے زیادہ خوفزدہ تھا اور یہی جہادی عنصر ان کے ناپاک عزائم کی راہ میں کوہِ گراں ثابت ہو سکتا تھا۔ اہلِ پاکستان کے لیے یقیناً یہ ایک بہت بڑا دوراہا تھا جسے عام طور پر پرویز مشرف کے یوٹرن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ پوری قوم کا امتحان تھا' جس میں ہم نے بحیثیت قومِ اسلام اور عالمِ اسلام سے بے وفائی کرتے ہوئے اپنے تئیں پاکستان کو بچانے کی خاطر اسلام کے خلاف عالمی طاغوتی قوتوں کے ساتھ بھرپور تعاون کا فیصلہ کر لیا اور نعرہ لگایا گیا: ''سب سے پہلے پاکستان!''

اس نعرے کا تجزیہ کریں تو اس کے مختلف شیڈز یوں ہوں گے:

سب سے پہلے اسلام نہیں' پاکستان!

سب سے پہلے مسلمانوں کا مفاد نہیں' پاکستان کا مفاد!

سب سے پہلے عالم اسلام کا مفاد نہیں' پاکستان کا مفاد!

سب سے پہلے اللہ کا حکم نہیں' امریکہ کا تقاضا!

دوسرے لفظوں میں — گویا ہمارے نزدیک ''کائنات کی سب سے بڑی قوت اللہ نہیں' امریکہ ہے!''

امریکی اتحادی بننے پر بانی تنظیم اسلامیؒ کی بھرپور مخالفت

آپ کو یاد ہو گا کہ اس موقع پر پرویز مشرف نے ایک نام نہاد مشاورت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ فیصلہ پہلے کیا جا چکا تھا لیکن لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے مشاورت کا اہتمام کیا گیا۔ سیاست دانوں اور صحافیوں کے ساتھ بھی ایک ایک نشست ہوئی اور علماء و مشائخ کے ساتھ بھی ایک نشست ہوئی۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کو بھی شرکت کا دعوت نامہ ملا اور وہ تشریف لے گئے۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ وہاں انہوں نے کیا کہا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں اس حوالے سے مولانا رفیع عثمانی صاحب کا کالم اخبار میں شائع ہوا تھا۔ انہوں نے اسی میٹنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بہت شدید الفاظ میں امریکی جنگ میں اس تعاون کی مخالفت کی تھی اور وہ بہت شدید جذبات میں تھے — بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کا بے پناہ جذبہ عطا کیا تھا' اپنے کلام قرآن حکیم کے ساتھ ایک ذہنی و قلبی مناسبت عطا فرمائی تھی اور خادمِ قرآن کے طور پر منتخب فرمایا تھا۔ پھر عالمی حالات' عالمی سیاست اور ملکی سیاست و حکومتی معاملات کا بھی گہرا فہم و شعور بخشا تھا — انہوں نے پرویز مشرف کے منہ پر جس شدت کے ساتھ اس فیصلے کی مخالفت کی تھی وہ ریکارڈ پر ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اس جنگ میں امریکہ کے ساتھ تعاون اولاً تو عدل و انصاف کے عالمی اصولوں کے بھی خلاف ہے' اس لیے کہ جرم ثابت ہی نہیں ہوا — جرم تو آج بھی ثابت نہیں ہے اور کسی مسلمان ملک کے حکمران کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ پہلے ثبوت پیش کرو۔ البتہ فرانس یا جرمنی میں سے کسی ایک نے یہ ضرور کہا تھا کہ ثبوت تو لاؤ — بہرحال آپ نے فرمایا کہ پاکستان کا اس جنگ میں امریکہ کے ساتھ تعاون اولاً تو عدل و انصاف کے عالمی اصولوں سے بھی غداری ہے' جبکہ ثانیاً یہ تعاون ملی اخوت کے اخلاقی اصولوں کے بھی خلاف ہو گا کہ ہم اپنے برادر اسلامی ملک کے خلاف ناحق ایک ظالم کا ساتھ دیں۔ ثالثاً یہ کہ ہمارا یہ طرزِ عمل اللہ اور اس کے دین کے ساتھ بھی غداری ہو گی۔ (اس لیے کہ ایک ابلیسی و طاغوتی قوت کا آلۂ کار بن کر ایک اسلامی حکومت کا خاتمہ کرنا اور بے گناہ مسلمانوں کے قتلِ عام میں شریک ہونا صریحاً اللہ اور اس کے دین کے ساتھ غداری ہے) اس کے ساتھ والد محترم نے یہ بھی فرمایا کہ امریکہ کی اس جنگ میں شرکت کے جو مادی فوائد آپ نے گنوائے ہیں' مثلاً معیشت مضبوط ہو گی' جہادِ کشمیر میں ہمیں سپورٹ ملے گی' ایٹمی پروگرام کو

تحفظ ملے گا وغیرہ‘ یہ سب چیزیں ایک ایک کر کے آپ کے ہاتھ سے نکل جائیں گی‘ اور ہمارے پلّے کچھ نہیں رہے گا۔

میرے نزدیک پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی اس امتحان میں بری طرح ناکام ثابت ہوئی جس میں ہم اللہ کی طرف سے ڈالے گئے تھے۔ ایک طرف ہمارے دین وایمان کا تقاضا تھا اور دوسری طرف دنیوی ومادی مفادات ـــــ تو ہم نے دوسرا آپشن قبول کرلیا۔

پرویز مشرف کے امریکی جنگ میں تعاون کے فیصلے اور ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘ کے نعرے کے خلاف اِکّا دُکّا آوازوں کے سوا کوئی بلند اور مضبوط آواز ان مذہبی جماعتوں کی طرف سے بھی نہیں اٹھی جو ملک کی سیاست میں عمل دخل اور بہت اثر ورسوخ رکھتی ہیں۔ اس طرح یہ کسی ایک شخص کا نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی پوری قوم کا جرم تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج ہم طرح طرح کے عذابوں کا شکار ہیں۔ اسی عرصے میں تاریخ کے بدترین زلزلے اور سیلاب‘ ٹارگٹ کلنگ اور خودکش دھماکے‘ بدترین بدامنی اور دہشت گردی‘ معیشت کا دیوالیہ پن‘ پانی کا بحران‘ انرجی کرائسس‘ گیس کی قلت‘ مہنگائی کا سیلاب‘ بے روزگاری اور پھر اس کے نتیجے میں جرائم کا طوفان‘ یہ سب ہمارا مقدر بنے۔ اُس وقت کہا گیا تھا کہ اگر ہم نے امریکہ کا ساتھ نہ دیا اور اس کے خلاف کھڑے ہو گئے تو ہمارا تورا بورا بنا دیا جائے گا۔ اس ڈر سے ہم امریکہ کے اتحادی بنے‘ لیکن ’’تورا بورا‘‘ بننا پھر بھی ہمارا مقدر ٹھہرا۔

مسلمان ملک کے خلاف امریکی جنگ میں تعاون: کفریہ حرکت

یہ ایک انتہائی رویّہ ہے جو ایک کلمہ گو مسلمان حکمران کی طرف سے سامنے آیا جو اس بات پر بھی فخر کا اظہار کرتا تھا کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس کے اس جرم عظیم میں وہ سب لوگ برابر کے شریک ہیں جو اس کی حکومتی مشینری کا حصہ تھے اور انہوں نے برضا ورغبت اس کے اس فیصلے کو قبول کیا اور اس کے ساتھ اس شیطانی ایجنڈے میں تعاون کیا۔ اسی طرح ملکی سطح کی وہ سیاسی یا مذہبی جماعتیں اور نمایاں افراد بھی تبعاً شریک جرم ہیں جنہوں نے اس فیصلے کے خلاف آواز نہیں اٹھائی بلکہ اس فیصلے کو قبولیت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا۔ امریکی جنگ میں ہمارے اس مخلصانہ اور out of the way تعاون کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں نے ہمارے بھرپور تعاون کے بل بوتے پر افغانستان پر وحشیانہ بمباری کر کے اسلامی حکومت‘ جو دنیا کے نقشے پر حقیقی معنوں میں واحد اسلامی حکومت تھی‘ کا

خاتمہ کر دیا ـــــ پرویز مشرف نے اپنی کتاب میں یہ کریڈٹ لیا ہے کہ اگر ہمارا اس جنگ میں تعاون نہ ہوتا اور ہم فرنٹ لائن اتحادی کی حیثیت سے اس جنگ میں شامل نہ ہوتے تو امریکہ کو افغانستان میں کامیابی کبھی نہ ملتی ـــــ اس جنگ میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو‘ جن میں بچے بوڑھے اور خواتین بھی شامل تھیں‘ خاک وخون میں غلطاں کیا گیا۔ لاکھوں گھروں کو مسمار کیا گیا۔ اللہ کے دین کے وفادار ہزارہا مجاہدین‘ جن میں طالبان افغانستان کے علاوہ عرب اور دیگر مجاہدین بھی بڑی تعداد میں تھے‘ کا قتل عام کیا گیا اور ہزاروں کو قیدی بنا کر سخت ترین تشدد وتعذیب کا نشانہ بنایا گیا۔

امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی ہونے کے ناطے اس شیطانی وطاغوتی ایجنڈے کی تکمیل میں ہم مسلمانانِ پاکستان برابر کے شریک ہیں۔ ہمارے اس جرم کی شدّت اور شناعت کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بظاہر کفر اور طاغوت کی چھیڑی ہوئی جنگ میں اسلام کے خلاف ان کے ساتھ دینا کفریہ حرکت ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾﴾

’’جو مؤمن ہیں وہ تو اللہ کے لیے لڑتے ہیں‘ اور جو کافر ہیں وہ بُتوں (طاغوت) کے لیے لڑتے ہیں‘ سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔‘‘

اس میں کیا شک ہے کہ ہماری یہ جنگ طاغوت کے لیے ہے جس کا ’’صفِ اوّل کا اتحادی‘‘ بننا ہم نے قبول کیا۔ لیکن کیا واقعتاً اس بنیاد پر پاکستانی قوم کو کافر قرار دے کر بلکہ حربی کافر قرار دے کر ان سے وہی سلوک روا رکھنا مناسب ہے؟ ـــــ قرآن حکیم کے بعض دیگر مقامات کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے اس بارے میں جو رہنمائی ملی ہے وہ میں آگے جا کر بیان کروں گا‘ ان شاء اللہ!

سورۃ النساء کی محولہ بالا آیت کی روشنی میں امریکی جنگ اور اس میں تعاون کے بارے میں اس انتہا تک بھی سوچ گئی ہے اور بہرحال اس بات میں بڑا وزن بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں بہت سے علماء بیٹھے ہوئے تھے اور ایک بڑے عالم دین‘ جو ایک بہت بڑی جماعت کے سربراہ بھی ہیں‘ نے کہا کہ ہمارے بہت سے مسلمان نوجوان ہماری جماعتوں سے ٹوٹ کر اُدھر جا رہے ہیں اور حکومت پاکستان اور مسلح افواج کے خلاف ہتھیار بھی اٹھا رہے ہیں‘

اس کا سدِباب ہونا چاہیے اور اس پر ہمیں بہت سخت ایکشن لینا چاہیے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کی بات تو ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ بتایئے کہ ایسی سوچ رکھنے والے نوجوان مجھ سے پوچھتے ہیں کہ سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کی روشنی میں ہم کس صف میں کھڑے ہیں اور ہمارا مقام کیا ہے؟ تو میرے پاس ان کے سوال کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ اگر آپ کے پاس اس کا جواب ہے تو آپ جواب دیجیے۔ اس پر انہوں نے کوئی واضح جواب دینے کی بجائے ٹال مٹول سے کام لیا۔ لیکن حقیقت اور امر واقعہ یہی ہے کہ یہ ایک بڑا سنگین معاملہ تھا اور قرآن مجید بھی کہتا ہے کہ یہ تو سیدھا سادھا طاغوت کی صف میں شامل ہونے والی بات ہے۔ بہرحال امریکی جنگ میں ہمارے تعاون کی ایک انتہا پر یہ کردار ہے جو پرویز مشرف' اس کے ساتھیوں' اس کی سوچ رکھنے والوں اور اس جیسی سوچ کی تائید کرنے والوں نے ادا کیا اور امریکہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

اگرچہ بحیثیت قوم ہم مسلمانانِ پاکستان اس آزمائش میں ناکام ثابت ہوئے لیکن قوم کے افراد میں اچھی خاصی تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں پرویز مشرف کے اس فیصلے سے جو اللہ اور اس کے دین کے ساتھ بغاوت پر مشتمل تھا' اختلاف تھا۔ پھر اختلاف کرنے والوں کے بھی بہت سے shades ملتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے اختلاف تو کیا لیکن اس فیصلے کے خلاف آواز نہیں اٹھائی' یعنی سمجھوتہ (compromise) کر لیا۔ بعض نے اپنی بساط کے مطابق آواز اٹھائی' جبکہ بعض نے نہایت شدت کے ساتھ آواز اٹھائی' اور قوم کو اس کے خوفناک نتائج سے آگاہ کرنے کی بھرپور کوشش کی' جن میں بحمداللہ بانی تنظیم اسلامیؒ اور تنظیمِ اسلامی اور اس کی موجودہ قیادت بحیثیتِ مجموعی شامل ہے۔

پاکستانی قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن اور اس کے نقصانات

یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا اور بی باون جیسے بمبار طیاروں کی بوچھاڑ اور ڈیزی کٹر جیسے ہولناک بموں کی بارش کے ذریعے طالبان کے نام پر افغان عوام کا قتل عام شروع کیا تو ملا عمر اور ان کے ساتھیوں نے عوام کو قتل عام سے بچانے کے لیے یہ منصوبہ بندی اختیار کی کہ وہ شہروں میں ٹھہرنے کے بجائے پہاڑوں میں چلے گئے۔ دو تین سال وہ منقار زیر پر رہے اور کوئی سرگرمی ان کی طرف سے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ وہ منظم ہونا شروع ہوئے اور انہوں نے کچھ گوریلا کارروائیوں کا آغاز کیا۔ گوریلا کارروائیوں میں ان پناہ گزین مجاہدین نے بھی ان کا ساتھ دیا جو ہمارے قبائلی بیلٹ

کے اندر آ گئے تھے —— ان پناہ گزینوں میں ایک بڑی تعداد عرب مجاہدین کی تھی اور ان میں سے بہت سوں کا تعلق القاعدہ سے تھا جو قبل ازیں روس کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کے لیے افغانستان آئے تھے اور بعد ازاں امارتِ اسلامی یعنی مُلّا عمر حفظہ اللہ کی اسلامی حکومت کے معاونین میں سے تھے اور نظامِ امارت کے قیام کے بعد باضابطہ مُلّا عمر حفظہ اللہ سے بیعت تھے —— ان مجاہدین نے طالبانِ افغانستان کی مدد شروع کی اور خود قبائلی عوام کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد امریکہ و نیٹو افواج کے خلاف جہاد میں شریک ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں اب ایک نیا منظر نامہ شروع ہو گیا۔

اس پر امریکہ نے پرویز مشرف پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے قبائلی علاقے میں فوجی کارروائی کرے اور ان قبائلیوں اور دیگر مجاہدین کے خلاف کریک ڈاؤن کرے جو افغانستان میں آ کر امریکی اور نیٹو افواج کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں —— واضح رہے کہ جب طالبانِ افغانستان نے گوریلا کارروائیوں کا آغاز کیا اور ادھر ہمارے قبائلی علاقوں سے بھی انہیں تعاون ملنے لگا تو اہل پاکستان میں سے وہ مخلص مسلمان جو پہلے دن سے پرویز مشرف کے ناروا فیصلے کے خلاف شدید جذبات رکھتے' ان میں سے بھی کچھ نوجوان جن میں ابتداءً زیادہ تعداد خیبر پختونخوا اور ملحقہ علاقے کے پشتو بولنے والے مسلمانوں کی تھی' وہ بھی امریکہ کے خلاف مجاہدین کی مدد کے لیے قبائلی علاقوں کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

امریکہ کے کہنے پر پرویز مشرف نے اپنے قبائلی علاقوں میں بھی آپریشن کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت قوم کے تمام سنجیدہ اور باشعور طبقات ببانگ دہل کہہ رہے تھے کہ یہ اقدام جس کا مشرف نے تہیہ کر لیا ہے ملکی سالمیت کے لیے شدید خطرات کا باعث ہوگا۔ اس تناظر میں قائداعظم کے وعدے کا حوالہ بھی دیا گیا جو انہوں نے قبائلی زعماء کے ساتھ قیام پاکستان کے موقع پر کیا تھا کہ پاکستانی فوج کبھی آزاد قبائلی علاقوں میں دخل اندازی نہیں کرے گی۔ چنانچہ وہ فی الواقع ہماری مغربی سرحد کے محافظ بن گئے تھے اور انہوں نے یہ کردار بھرپور طریقے سے نبھایا۔ ان کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ وہ اسلام اور پاکستان دونوں کے سچے وفادار تھے۔ یہ کشمیر کا جو بچا کھچا علاقہ ہمارے پاس آیا ہے یہ بھی ان کی ہمت اور محنت کا نتیجہ ہے' بلکہ انہوں نے تو کافی بڑا علاقہ ہمیں دلوا دیا تھا جو بعد میں ہم نے خود اپنی غلط حکمت عملی سے گنوا دیا —— جب پرویز مشرف نے ان کے خلاف فوجی آپریشن کا ارادہ کیا تو کہنے والے کہہ رہے تھے کہ یہ قبائلی ہمیشہ اسلام اور پاکستان کے وفادار رہے ہیں اور یہ ہمارے محسن بھی ہیں کہ کشمیر کا قبضہ بھی انہی

کے ذریعے ہمیں ملا ہے‘ اگر ہم نے ان کے خلاف امریکہ کے دباؤ پر کوئی قدم اٹھایا تو اس کے نتائج بہت خوفناک ہوں گے۔ مجھے پرویز مشرف کے یہ الفاظ آج بھی یاد ہیں کہ اقتدار کے نشے میں سرشار اور خود کو ہر قسم کے احتساب (accountability) سے ماورا سمجھنے والا یہ شخص ان تمام خدشات کے جواب میں یہ کہتا تھا کہ ہم وزیرستان میں فوجی کارروائی خود اپنے مفادات کے تحت کریں گے‘ ہم کسی کے دباؤ میں نہیں ہیں اور یہ ہمارا اپنا داخلی مسئلہ ہے۔

بہرحال اس آمر مطلق نے سب کی مخالفت کو نظر انداز کرتے ہوئے وہاں فوجی آپریشن کیا۔ بے گناہ قبائلی عوام پر گولے برسائے گئے اور اس مقصد کے لیے فضائیہ کا استعمال کیا گیا۔ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ دینی غیرت وحمیت کی بنا پر طالبانِ افغانستان کی امریکہ اور نیٹو کے خلاف مدد کر رہے تھے‘ یعنی ظالموں کے خلاف مظلوم کا ساتھ دے رہے تھے۔ انہوں نے پاکستان کے خلاف ہرگز کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ لیکن جب پاکستانی فوج نے ان کے خلاف آپریشن کیا تو پھر انتقاماً انہوں نے بھی پاکستانی افواج پر حملے شروع کر دیے اور پھر اس کا نتیجہ وہی نکلا جس سے سب خبردار کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قبائلیوں کی اپنی نفسیات ہے اور وہ نہ تو کسی کے دباؤ میں آنے والے ہیں اور نہ کسی کو خاطر میں لانے والے ہیں۔ چنانچہ جو کوئی ان کے ساتھ ناحق زیادتی کرے وہ اس سے بدلہ وانتقام ضرور لیتے ہیں۔ وہ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ کے قائل ہیں —— لہٰذا ان کی اس انتقامی کارروائیوں کو خالص دینی اعتبار سے دیکھا جائے تو سورۃ الشوریٰ کی آیات ۳۹ تا ۴۳ کی روشنی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اصل مجرم اور ظالم وہ ہیں جو اپنی طاقت کے زور پر بے گناہ لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ جواباً مظلوم طبقات اگر ردِّعمل میں کوئی قدم اٹھائیں تو ان کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ صبر کرتے تو یہ ایک اونچا مقام تھا‘ لیکن اصل مجرم بہرحال وہی ہے جس نے اپنی طاقت کا غلط استعمال کرتے ہوئے انہیں انتقامی کارروائی پر مجبور کیا۔

لفظ ’’طالبان‘‘ کو بدنام کرنے کی عالمی سازش

ان انتقامی کارروائیوں کے ردِّعمل میں فوج نے بھی ان کے خلاف مزید سخت قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ یوں ایک شیطانی چکّر (vicious circle) چل پڑا اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسنے لگا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ’را‘ موساد اور سی آئی اے نے بھی اپنی کارروائیاں شروع کر دیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنرل اسلم بیگ نے آج سے چار پانچ سال

قبل کہا تھا کہ پرویز مشرف کی سب سے بڑی زیادتی اس ملک وقوم کے ساتھ یہ ہے کہ اس نے ان تمام خفیہ ایجنسیوں کے لیے جو واضح طور پر اسلام اور پاکستان کے خلاف ایجنڈا رکھتی ہیں‘ سارے دروازے کھول دیے ہیں اور چراگاہ کے طور پر پاکستان ان کے سامنے پیش کر دیا ہے —— پھر بعد میں یہ ثابت بھی ہوا کہ طالبان کے نام کی آڑ میں یہ کارروائیاں ریمنڈ ڈیوس جیسے خفیہ ایجنسیوں کے کارکن کر رہے ہیں جن کا ہمیں پتا ہی نہیں تھا‘ لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت (fact) ہے۔ ابھی چند دن پہلے ایرانی صدر احمدی نژاد کا بیان اخبارات میں آیا ہے کہ پاکستان میں اس وقت بھی بے شمار خفیہ ایجنسیاں اور اسلام دشمن ایجنٹس موجود ہیں —— اس حوالے سے کون نہیں جانتا کہ رحمان ملک صاحب کے پاس ساری معلومات اور سارے اختیارات ہیں‘ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ خاص اسی مہم پر بھیجے گئے ہیں۔ ان کو ان کے مقام سے کوئی نہیں ہلا سکتا۔ سب بدل جائیں گے‘ وزیراعظم بدل جائے گا‘ باقی وزراء بدل جائیں گے‘ لیکن یہ شخص اپنی جگہ پر قائم رہے گا اور یہ شخص جو کردار ادا کر رہا ہے وہ سب کو معلوم ہے —— احمدی نژاد نے یہ بھی کہا کہ اِس وقت بھی ملک پاکستان میں جو تخریبی کارروائیاں ہو رہی ہیں ان کے پیچھے یہی خفیہ ایجنسیاں ہیں۔

اس ساری صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کا بازار گرم ہو گیا اور پھر ہر نوع کی دہشت گردی اور تخریبی کارروائی کا الزام طالبان پر لگتا رہا۔ یہ عالمی سطح پر لفظ طالبان کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم تھی جس میں ہمارے میڈیا نے بھی امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی کا کردار ادا کیا اور اس لفظ کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہاں تک کہ لفظ طالبان ایک گالی اور دہشت گردی کی بدترین علامت (symbol) بن کر رہ گیا۔ پھر اس ملک میں یہ تماشا بھی ہوتا رہا کہ کوئی بھی حادثہ رونما ہوا تو تحقیقات سے پہلے اسے فوراً ’’خودکش حملہ‘‘ قرار دے دیا جاتا۔ خودکش حملہ کہنے میں دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ انتظامیہ بریُ الذِّمہ ہو جاتی ہے کہ خودکش حملے کی روک تھام کے لیے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ تو ایسی چیز ہے جس کو کنٹرول کیا ہی نہیں جا سکتا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ الزام طالبان پر آتا ہے کہ یہ کام تو وہی کرتے ہیں‘ اور ہمارے دشمن یہی کچھ چاہتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی حملہ کو خودکش حملہ قرار دے کر بیک وقت یہ دو فائدے اٹھائے جاتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ دو تین سال پہلے کراچی میں محرم کے جلوس پر ایک بم دھماکہ ہوا تو حسبِ معمول اگلے روز اخبارات میں یہ سرخیاں لگا دی گئیں کہ یہ خودکش حملہ تھا اور مزید تفصیلات بھی اخبارات میں آ گئیں کہ خودکش

حملہ آور نے اس طرح کا لباس پہنا ہوا تھا' اس کا یہ حلیہ تھا' وہ آگے بڑھا تو ایک پولیس اہلکار نے اسے روکنے کی کوشش کی' اس نے اپنے آپ کو اڑا لیا اور وہ بے چارہ پولیس اہلکار شہید ہو گیا۔ بعد میں اس کی بہادری پر اسے تمغہ سے نوازا گیا' وغیرہ۔ چوتھے دن اخبار میں خبر آئی کہ وہ خودکش نہیں بلکہ ایک ریموٹ کنٹرول بم دھماکہ تھا۔ اس لیے کہ اتفاق سے وہاں کیمرے لگے ہوئے تھے اور ان کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ کوڑے دان (dust bin) کے اندر بم موجود تھا جو ریموٹ کنٹرول سے پھاڑا گیا۔ یہ تو ایک واقعہ ہے جس میں اصل حقیقت سامنے آ گئی' ورنہ اخبارات اور میڈیا کا تو کام ہی یہی ہے کہ حادثہ ہوتے ہی واویلا مچانا شروع کر دیا جاتا ہے کہ یہ خودکش حملہ تھا اور طالبان نے اس کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ طالبان کو بدنام کرنے کے لیے یہ کام ایک پوری سازش کے تحت ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طالبان وہ ہیں جن کے کریڈٹ میں یہ کارنامہ ہے کہ انہیں جب موقع ملا انہوں نے اللہ کا دین قائم کیا اور کسی دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے شریعت نافذ کر دی' جس کی برکات دنیا بچشمِ سر دیکھ رہی تھی اور پھر جب ان پر دباؤ ڈالا گیا اور صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ پورے کا پورا عالمِ کفر ان پر چڑھ کر آیا تو وہ دباؤ میں نہیں آئے۔ انہوں نے امریکہ کے بجائے اللہ وحدہ لاشریک کی بڑائی کو تسلیم کیا۔ پھر انہوں نے ایک دن کے لیے بھی شکست تسلیم نہیں کی اور عالم کفر کا ایک مطالبہ بھی اب تک انہوں نے نہیں مانا' جبکہ ہم نے ایٹمی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی سارے مطالبات ایک ہی دھمکی میں قبول کر لیے اور پوری قوم بھی مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔ چنانچہ طالبان افغانستان کے اس روشن امیج کو مسخ کرنا طاغوتی قوتوں کے ایجنڈے کا اہم حصہ ہے۔ بہرحال یہ سب میڈیا کے ذریعے ہوا اور ہو رہا ہے اور میڈیا ہی اس پوری سازش کا روحِ رواں ہے۔ کسی نے اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ع ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' کے معاملہ میں اصل مجرم اور ظالم کون ہے اور کون ظالم کے ظلم و ستم کے ردعمل میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ پھر لال مسجد کے واقعے نے اس معاملے میں جلتی پر تیل کا کام کیا اور مظلوموں کی جانب سے انتقامی کارروائیوں پر انہی کو مطعون کیا جاتا رہا۔

دوسرا انتہا پسندانہ رویّہ: تکفیری سوچ

امریکی جنگ کے حوالے سے پورا پس منظر اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس پورے معاملے کو اس کے اصل پس منظر میں دیکھا جا سکے۔ اب اس ساری صورت حال نے کہ جس میں ہمارا سارا میڈیا اصل مجرموں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے مظلوموں کو ہی مجرم قرار دینے پر تُلا ہوا تھا' ایک دوسرے انتہا پسندانہ رویّے اور سوچ کو تقویت دینے کا کام کیا ہے۔ دوسری

انتہا پسندانہ سوچ وہ ہے جسے ہمارے علماء تکفیری سوچ کہتے ہیں۔ یہ انتہا پسندانہ سوچ دین و مذہب سے بے پناہ لگاؤ رکھنے والے طبقات میں عدم توازن کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت ہی میں گویا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اس کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس سوچ کی بنیاد ٹھوس علم کا نہ ہونا اور قرآن و حدیث کے سطحی مطالعے سے اپنے حاصل شدہ نتائج کو حتمی اور حرفِ آخر سمجھ لینا ہے۔ یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ دین کے معاملے میں اتھارٹی تو اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہؓ ہیں جنہوں نے براہِ راست نبی اکرم ﷺ سے دین سمجھا اور سیکھا۔ پھر یہ علم تابعین اور تبع تابعین سے ہوتا ہوا ان راسخ العلم علماء کے ذریعے ہم تک پہنچا جن کی پوری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزری اور جو اس سنہری سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں۔ علم دین اس چیز کا نام نہیں کہ کچھ سطحی معلومات حاصل کر لی جائیں اور پھر ان راسخ العلم علماء کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جائے۔ تاریخِ اسلام میں خوارج اس کی ایک واضح مثال ہیں۔ وہ اس معاملے میں انتہا پسندی کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بہت عبادت گزار اور مذہبی لوگ تھے لیکن دینی معاملات میں اہلِ علم سے رہنمائی لینے کی بجائے' دین میں سند کا مقام رکھنے والے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے ہوتے ہوئے' ایمان و عمل کے تعلق کے حوالے سے اپنی سطحی معلومات کی بنا پر دین کی ایسی تعبیرات کر رہے تھے جو ان کی خود ساختہ تھیں اور عدمِ توازن پر مبنی تھیں۔ صحابہ کرامؓ جو دین کو سب سے بڑھ کر سمجھنے والے تھے' انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ اپنی خود ساختہ آراء کے بارے میں ان کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے اگرچہ ایسا تاثر ملتا ہے' لیکن بہت سی دوسری احادیث اور نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے طرزِ عمل کو سامنے رکھیں تو یہ بات سو فیصد غلط ہے جس حد تک وہ پہنچے۔ مثلاً اگر کسی نے شراب پی لی یا کسی اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا تو اب خوارج کے فلسفے اور نتائج علمی کی رو سے یہ شخص کافر ہو گیا۔ پہلے مسلمان تھا اب کافر ہو گیا تو اس طرح مرتد بھی ہو گیا اور مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے' لہٰذا اس کو قتل کر دو۔ یہ انتہائی احمقانہ بات ہے' لیکن جب کسی کے دل میں سما جائے تو وہاں سے ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی خوارج کے دلوں سے اس بات کو نہیں مٹا سکے' حتیٰ کہ خوارج اپنی اس بات میں اس انتہا تک پہنچے کہ وہ ایسے ہر مسلمان کو جو ان کی مخصوص انتہا پسندانہ سوچ کی تائید نہ کرتا' قتل کر دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ یہ ایسی انتہا پسندانہ منفی سوچ تھی جس کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال کیا۔

تکفیری سوچ مسلمان مجاہدین میں کیسے آئی؟

عصرِ حاضر میں اس تکفیری سوچ کی عکاسی ہمیں اولاً مصر میں نظر آتی ہے۔ وہاں الاخوان المسلمون سے وابستہ کچھ افراد میں حسن البناء کی شہادت کے بعد اسی نوع کی انتہا پسندانہ سوچ نے جنم لیا۔ یہ ۱۹۵۶ء کے بعد کی بات ہے جب الاخوان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے' بہت سوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا اور حسن البناء کی شہادت ہوگئی۔ اس دوران الاخوان میں ایک گروپ ایسا پیدا ہوا جو حسن البناء شہید کی تعلیمات کے برعکس غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی طاغوتی نظام سے وابستہ لوگوں اور ایسے نظام کو قبول (accept) کرنے والے مسلمانوں کو خارج از اسلام یعنی کافر قرار دیتا تھا۔ پھر ان کے اندر یہ تکفیری سوچ پختہ ہونے لگی تو انہوں نے اپنی ایک الگ جماعت ''جماعت المسلمین'' کے نام سے بنالی' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصے کے بعد ان میں یہ سوچ پختہ ہوتی چلی گئی کہ اب مسلمان صرف ہم ہی ہیں اور اس جماعت سے جو باہر ہیں وہ سب کافر ہیں۔ چنانچہ اس جماعت کو ''جماعة التکفیر والهجرة'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ نوٹ کرلیں کہ کسی کلمہ گو کے بارے میں یہ کہنا وہ کافر ہوگیا ہے اور پھر اس کی تکفیر کا اعلان کرنا یہ ایک بہت نازک معاملہ ہے اور یہ ہر کس وناکس کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ اس کے اہل صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی ساری عمر علم دین ہی کے میدان میں گزری ہو اور وہ فقہی امور میں پختہ علم رکھتے ہوں —— یہ کہہ دینا کہ فلاں اس معاملے میں انتہا پسندی کا شکار ہے' فلاں نے فلاں معاملے میں دین کی تعلیمات سے انحراف کیا ہے یا فلاں نے دین سے بغاوت والا راستہ اختیار کیا ہے' یہ سارے الفاظ تو کہے جاتے ہیں لیکن کسی کے کفر کا اعلان کرنا نہ صرف ایک بہت بڑی بات ہے بلکہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ پھر یہی تکفیری سوچ جب آگے بڑھتی ہے تو یہاں تک پہنچتی ہے کہ ایسے مسلمان نہ صرف یہ کہ حقیقت میں کافر سمجھے جاتے ہیں بلکہ حربی کافر کی طرح مباحُ الدّم بھی قرار پاتے ہیں۔ حالانکہ کافروں میں سے بھی صرف ان کی جان لی جاسکتی ہے جو حربی کافر ہوں یعنی جو مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ حملہ آور ہوئے ہوں یا اپنے نظریات کو انہوں نے فروغ دینا شروع کیا ہو۔

اب اس تکفیری سوچ کے تناظر میں موجودہ صورتحال پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ عرب مجاہدین اور القاعدہ میں سے بہت سوں کا تعلق مصر سے تھا۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو جماعة التکفیر والهجره والی سوچ سے کسی قدر ہم آہنگی رکھتے تھے' لہٰذا انہوں نے اس

سوچ کو یہاں پر فروغ دینا شروع کیا۔ فتنے کے ماحول میں ایسی سوچ کو فروغ ملتا ہے۔ چنانچہ قبائلی علاقے میں یہ تصور پھیلنا شروع ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی سوچ رکھنے والوں کے نزدیک جنگ کے دوران طاغوتی قوتوں کو کمزور کرنے کے لیے ان عام مسلمانوں کا بھی قتلِ عام جائز ہوگیا جو اس طاغوت کا باقاعدہ حصہ تو نہیں ہیں' لیکن انہوں نے اس طاغوتی نظام کو قبول کیا ہوا ہے اور اس کے خلاف کھڑے نہیں ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہ انتہا پسندانہ سوچ جہادی گروپ سے وابستہ نوجوانوں میں بھی پروان چڑھی ہے۔ یہ سوچ کیوں پروان چڑھی ہے اور اس کا بڑا سبب کیا ہے وہ میں آگے چل کر بیان کروں گا' لیکن یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ یہ سوچ ردعمل ہے امریکہ اور نیٹو کے ظلم وستم اور امریکہ کے ساتھ پاکستان جیسے اسلامی ملک کے اس بھرپور تعاون کا جو اس نے امریکہ کے ''فرنٹ لائن الائی'' کے طور پر کیا' یہاں تک کہ عرب مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر امریکی درندوں کے حوالے کیا گیا اور اس کے عوض ڈالرز لیے گئے۔ پرویز مشرف نے اپنی کتاب میں اسے تسلیم کیا ہے اور وہ تو اسے اپنا ایک کارنامہ سمجھ رہا ہے۔ پھر اس حوالے سے ہمارے ہاں ایک مثال موجود ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے بھی آنکھوں میں نمی آجاتی ہے۔ ہماری ہی ایک مسلمان بہن عافیہ صدیقی جو آج تک امریکہ میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کررہی ہے۔ کیا ہو رہا ہے اس کے ساتھ اور کون ہے کرنے والا' یہ آپ سب کو معلوم ہے۔ لہٰذا اس طرح کے واقعات کے ردعمل (reaction) میں نوجوان اس انتہا پسندانہ سوچ کے حامل بن رہے ہیں۔

ایسی سوچ رکھنے والے اپنی جگہ بہت مخلص ہوتے ہیں اور گہرے دینی جذبات رکھنے کے ساتھ ساتھ غیرت وحمیت دینی سے بھی مالا مال ہوتے ہیں' لیکن حالات کی سنگینی کے ردعمل میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ پھر وہ قرآن وحدیث کے محدود اور قدرے سطحی مطالعے سے اپنی انتہا پسندانہ سوچ کے لیے دلائل فراہم کرتے ہیں اور اس پر جازم ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ ایسے جید اور سینئر علماء کی باتوں پر بھی کان دھرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو علمِ دین میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسے ہی وہ مذہبی جذباتی عناصر ہیں جو نہ صرف طاغوت کے ساتھ سازگاری اختیار کرنے والے حکمرانوں اور لیڈروں کو صریحاً کافر قرار دے کر واجبُ القتل سمجھتے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مسلمان عوام کے قتل عام کو بھی نہ صرف جائز بلکہ اجر وثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والے جذباتی شدت پسند مسلمان غیر دانستہ طور پر اسلام دشمن طاقتوں کے آلہ کار بن کر دہشت گردانہ سرگرمیاں کرتے ہیں اور امنِ عامہ کو تہ وبالا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

تکفیری سوچ کا ایک بڑا سبب: جیّد علماء کی خاموشی

ہمارے نزدیک اس انتہا پسندانہ سوچ یا رویّے کا ایک سبب جہاں موجودہ حالات کی سنگینی اور ردّعمل ہے وہیں اس کا ایک بہت بڑا سبب ہمارے دینی قائدین اور علماء کا عمومی کردار اور مجرمانہ غفلت ہے۔ نائن الیون کے بعد ہم نے اسلام کے خلاف طاغوتی قوتوں کی جنگ میں جب صفِ اوّل کا اتحادی بننے کا سنگین فیصلہ کیا' جو صریحاً اللہ اور اس کے دین سے بغاوت پر مبنی تھا' اس وقت علماء کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس جرمِ عظیم کے خلاف زور دار انداز میں آواز اٹھاتے' اس کی سنگینی سے عوام الناس اور عام مسلمانوں کو مطلع کرتے اور حکومت وقت کے ساتھ ہر قسم کے تعاون سے اعلان براءت کرتے۔ لیکن افسوس کہ علماء کرام کی عظیم اکثریت نے اس معاملے میں اس اہم ترین ذمہ داری کو ادا نہیں کیا بلکہ چپ کا روزہ رکھنے کو ترجیح دی اور زبان کھولنے کے حوالے سے وہ اپنے اپنے مسلک کے ان سیاسی قائدین کی طرف دیکھتے رہے جن کے ہاں مصلحتوں' حکمت عملی اور سیاسی مفادات کو ترجیح اول کا مقام حاصل ہے۔ میرے نزدیک مستند اور اہلِ علم علماء کی عظیم اکثریت کے چپ سادھ لینے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ ردعمل کا شکار انتہا پسندانہ سوچ رکھنے والے غیر مستند علماء و دانشوروں کے افکار و نظریات کو فروغ حاصل ہونے لگا۔ چنانچہ دینی جذبہ رکھنے والے عوام اور بالخصوص وہ نوجوان جو حالات کے ردعمل میں موجودہ عالمی طاغوتی قوتوں اور ان کے ایجنٹوں کے خلاف شدید جذبات رکھتے تھے' وہ اس سوچ کے گرویدہ ہو گئے۔ اس طرح حمیت و غیرتِ دینی کا ملی جذبہ اس انتہا پسندی کا شکار ہونے لگا اور پھر طاغوت کے ساتھ تعاون کرنے والے حکمرانوں کے ساتھ ساتھ مسلمان عوام بھی مباح الدم ٹھہرے اور عوامی سطح پر ہر نوع کی دہشت گردی اور تخریب کاری جائز قرار پائی۔

اس حوالے سے یہ بھی نوٹ کر لیں کہ ان تمام سرگرمیوں کا سارا فائدہ اسلام دشمن طاقتوں ہی کو پہنچ رہا ہے' اس لیے کہ ان کی اس نوع کی کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمان معاشرے کا وہ بنیادی ڈھانچہ (structure) بھی کمزور سے کمزور تر ہو رہا ہے جو فی الحقیقت ان اسلام پسند مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کی عظیم اکثریت طاغوتی نظام سے سازگاری کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور عالمی طاغوتی قوتوں کے ساتھ حکومتی سطح پر تعاون کو دینی نگاہ سے غلط اور ناجائز سمجھتی ہے۔ اب ان کو بھی اگر آپ نے اپنے نشانے پر رکھ لیا ہے اور ان کا بھی قلع قمع کرنے اور ان کے خلاف کسی بھی قسم کی تخریبی کارروائیوں میں آپ کو کوئی تأمل نہیں ہے تو پھر نقصان صرف حکومت کا نہیں' بلکہ اس پورے نظام اور ڈھانچہ (structure) کو بھی ہو رہا ہے جو امریکہ کے خلاف شدید

جذبات رکھنے والوں اور مجاہدین کی مدد کرنے والوں پر بھی مشتمل ہے۔ ان میں وہ طبقہ بھی شامل ہے جس کو اگر صحیح طور پر راہنمائی ملے تو وہ اسلام کے لیے مفید اور معاون ہو سکتا ہے — یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ نائن الیون کے بعد جہاں ایک طرف حکومتی سطح پر طالبانِ افغانستان اور ان کی اسلامی حکومت کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے والا کردار (حکومتی سطح پر) ادا کیا گیا وہیں دوسری طرف امریکہ اور نیٹو کے خلاف گوریلا وار میں طالبانِ افغانستان کی اخلاقی تائید اور مادی امداد کا بہت بڑا ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے مخلص مسلمانوں ہی کو بنایا ہے۔ یہ شرف بھی پاکستان ہی کے حصے میں آیا ہے اور طالبان افغانستان کو جو تھوڑی بہت مدد مل رہی ہے تو وہ پاکستانی عوام سے مل رہی ہے۔ اگر ہم اس پورے ڈھانچے ہی کو ہلا دیں گے تو پھر نقصان دین اسلام اور مسلمانوں ہی کا ہے اور اس کا سارا فائدہ پہنچے گا طاغوتی قوتوں کو۔ واضح رہے کہ ڈھانچے سے میری مراد جمہوری ڈھانچہ نہیں ہے بلکہ میری مراد ایسے معاشرہ کا اسلامی ڈھانچہ ہے جس کے زیادہ تر افراد اسلام پسند ہیں اور کفر اور طاغوت کو ناپسند کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ان کی صحیح راہنمائی نہیں کی گئی اور اگر انہیں صحیح راہنمائی ملے تو وہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے بہترین مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

دو انتہا پسندانہ رویّوں میں نقطہ اعتدال؟

بہر حال یہ دو انتہا پسندانہ رویّے تھے جن کی نشاندہی ضروری تھی۔ پہلا رویہ صریحاً اللہ اور اس کے دین کے ساتھ بغاوت پر مشتمل ہے' جبکہ دوسرا ہے تو دین اسلام کی حمایت اور طاغوتی نظام سے بیزاری کی نیک بنیادوں پر مشتمل' تاہم ردعمل کی بنا پر یوں انتہا پسندی کا شکار ہے کہ طاغوتی نظام کے تحت رہنے والے مسلمان عوام بھی ان کے نزدیک مباح الدم اور لائقِ قتل ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ اس دوسرے طبقے کی کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمانوں ہی کی قوت کمزور ہو رہی ہے اور سارا فائدہ اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کو پہنچ رہا ہے۔

آخر میں' میں اس سوال کو زیر بحث لا رہا ہوں کہ اس میں نقطہ اعتدال کیا ہے؟ ماقبل بیان کردہ سورۃ النساء کی آیت ۷۶ کے حوالے سے میں نے یہ سوال آپ کے ذہن میں ڈال دیا تھا کہ اس اعتبار سے تو ہم کافروں کی صف میں شمار ہو گئے' لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس کے حوالے سے اب ہم تکفیری سوچ کو اختیار کر لیں جو انتہا پسندانہ سوچ ہے؟

وہ مسلمان حکمران یا مسلم طبقات جو طاغوتی قوتوں کے ساتھ سازگاری اختیار کرتے ہیں اور ان کے ناپاک ایجنڈے کی تکمیل میں ان کے معاون و مددگار بھی ہیں' دینی اعتبار سے وہ کہاں کھڑے ہیں؟ قرآن و سنت کے محدود مطالعے کی بنیاد پر میرا جو موقف ہے مجھے امید ہے

کہ مستند علماء جو علم دین میں رسوخ رکھتے ہیں‘ میری تائید کریں گے۔ میرے موقف کی بنیاد سورۃ المائدہ کا رکوع ۸ اور نبی اکرم ﷺ کا اُسوہ ہے‘ میری کوشش ہے کہ میرا موقف قرآن وصاحبِ قرآن ﷺ کی منشا کے مطابق ہو۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ کے ان آیات میں جو راہنمائی ملتی ہے وہ میں آپ کے سامنے بیان کیے دیتا ہوں۔ فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ ’’اے اہل ایمان! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بنانا۔ ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں‘‘۔ یعنی یہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ایک دوسرے کے معاون ومددگار ہیں۔ قرآن نے یہود ونصاریٰ دونوں کو بریکٹ کیا ہے اور اِس وقت موجودہ حالات میں یہود ونصاریٰ فی الحقیقت ایک وحدت بن چکے ہیں‘ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اُس وقت یہود ونصاریٰ کی آپس میں شدید دشمنی تھی‘ تاہم اسلام دشمنی میں وہ دونوں ایک تھے۔ اس لیے بانی محترمؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ جب یہ دونوں ’’ٹو ان ون‘‘ یعنی فی الواقع یک جان دو قالب ہو جائیں گے اور آج وہ ایک ہی ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ ’’اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست رکھے گا پس وہ انہی میں سے ہوگا‘‘۔ ظاہر بات ہے کہ اُس وقت منافقین موجود تھے اور ان کی ساری دوستیاں اور تعلقات یہود کے ساتھ تھے تو وہ انہی میں سے شمار ہوں گے‘ گویا وہ بھی اللہ کے ہاں یہودی قرار پائیں گے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ’’جان لو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دے گا‘‘۔ یعنی اتنے واضح حکم آنے کے بعد بھی جو ان کے ساتھ دوستیاں اور تعلقات رکھے گا اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اگلی آیت میں فرمایا: ﴿فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ﴾ ’’تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے وہ پھر بھی ان ہی میں گھستے ہیں‘‘۔ یعنی جانتے بوجھتے انہی سے دوستانہ تعلقات رکھتے اور اپنے مسائل لے کر انہی کی طرف جاتے ہیں۔ پھر سمجھتے ہیں کہ یہی ہمارے سرپرست ہیں اور یہی ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔ ﴿یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ﴾ ’’(وہ اپنے اس طرزِ عمل کے جواز کے طور پر) کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے‘‘ —— یہود بڑے بڑے ساہوکار تھے اور وہ سود پر قرضے دیتے تھے اور منافقین اس لیے ان سے تعلق رکھتے تھے کہ کہیں ہمیں پیسوں کی ضرورت پڑے تو یہ ہماری مدد کریں گے۔ ویسے وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اسلام اور کفر کی اس جنگ میں یہودی ایک طرف ہیں اور ان کے ساتھ پورا عرب اور مشرکین

ہیں‘ جبکہ یہ مسلمان تعداد میں تھوڑے سے ہیں‘ لہٰذا معلوم نہیں کہ آخر کار کس کو فتح حاصل ہو۔ انہوں نے یہود کے ساتھ دوستی کو اس غرض سے ترجیح دی کہ کہیں ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے اور کہیں ہمارا تورا بورا نہ ہو جائے —— اس بات کو اپنے اوپر قیاس کر لیجیے کہ ہم نے امریکی جنگ میں تعاون اور ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ کہیں ہم پر کوئی آزمائش نہ آ جائے‘ کہیں ہمارے حالات خراب نہ ہو جائیں‘ کہیں ہم امریکہ کے غضب کا نشانہ نہ بن جائیں‘ البتہ اللہ کے غضب کا نشانہ بن جائیں تو کوئی حرج نہیں! آگے فرمایا: ﴿فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ ’’تو کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں ہی کو) فتح عطا فرما دے یا اپنے ہاں سے کوئی امر نازل فرما دے‘‘ ﴿فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ’’پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے‘ پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔‘‘

ان آیات میں بیان کیے گئے یہود اور منافقین کے کردار کا آج کے حالات سے تقابل کریں تو پتا چلتا ہے کہ آج بھی یہود کا ایک طبقہ مسلمانوں کے خلاف بدترین سازشیں کر رہا ہے اور اسلام کو مٹانے کے لیے یہود ونصاریٰ بالکل یک جان دو قالب بن کر سرگرم عمل ہیں۔ مسلمانوں میں سے بھی بعض عناصر‘ بالخصوص حکمران طبقات اور ان کے ہمنوا ان اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ دوستیاں بھی رکھے ہوئے ہیں‘ ان کی مدد بھی کر رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں میں برابر کے شریک بھی ہیں۔ یہ بعینہٖ ایک ہی کردار ہے۔ وہاں عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی تھے جن کی دوستیاں ان یہود کے ساتھ تھیں جو صریحاً اسلام کو مٹانے کے درپے تھے اور منافقوں کا یہ ٹولہ ان کی بھرپور معاونت کر رہا تھا جبکہ یہاں پرویز مشرف اور اس کا ٹولہ اور اس کی سوچ رکھنے والے لوگ ہیں جو انہی اسلام دشمن طاقتوں یعنی یہود ونصاریٰ کے ’’فرنٹ لائن الائی‘‘ بن کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا نبی آخر الزمان ﷺ نے عبداللہ بن اُبی اور اس جیسی سوچ رکھنے والوں کی تکفیر کر کے ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اور ان کو مباح الدم سمجھا تھا؟ حالانکہ آپ ﷺ کو تو خوب معلوم تھا کہ سورۃ المائدۃ کی ان آیات میں کن کا تذکرہ ہو رہا ہے اور یہ لوگ اللہ کے ہاں سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اس بدترین کردار ادا کرنے والے منافقین کی بھی نبی اکرم ﷺ نے تکفیر نہیں کی اور ان کو قتل کرنے کے احکامات جاری نہیں کیے‘ بلکہ آپؐ نے عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کسی شخص کے انتہائی مبغوض کردار ہونے کے باوجود اس

کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ ہاں ان آیات مبارکہ اور بہت سی دیگر آیات کے حوالے سے منافقانہ طرزِ عمل کو خوب اچھی طرح واضح کیا گیا کہ عام آدمی بھی بآسانی پہچان جاتا تھا کہ کون اسلام کے لبادے میں حقیقت کے اعتبار سے منافق اور اللہ کا دشمن ہے! اس منافقانہ طرزِ عمل کا آخری انجام بھی خوب اچھی طرح واضح کر دیا گیا کہ ایسے لوگ آخرت میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔

علماء کرام کی ذمّہ داری اور کرنے کا اصل کام

عوام الناس کو دینی رہنمائی فراہم کرنا اور وقت کے منکرات کی نشاندہی کر کے انہیں منکرات سے روکنا علماء کرام کی اہم ترین اور بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ سورۃ المائدۃ ہی میں فرمایا گیا: ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ﴾ (آیت ۶۳) ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہوں کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟'' اس حوالے سے آج علماء کی ایک نہایت اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ واضح طور پر عوام کو بتائیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طاغوتی طاقتوں کا ساتھ دینا بدترین منافقانہ کردار ہے۔ انہیں یہ بتایا جائے کہ یہ وہی کردار ہے جو عبداللہ بن اُبی اور بدترین منافقین کا تھا جو مسلمانوں کے خلاف دلوں کے اندر بغض رکھتے تھے حالانکہ ایمان بھی لائے تھے' کلمہ بھی پڑھتے تھے' حضور ﷺ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھ رہے تھے اور ظاہراً اس اسلامی معاشرے کا حصہ تھے' لیکن حقیقتاً یہ یہود کے آلہ کار تھے اور بدترین منافقانہ کردار ادا کر رہے تھے۔ علماء کو چاہیے کہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس بات کو اُجاگر کریں کہ یہ کردار اعتقادی منافقین کا کردار ہے جن کا انجام روزِ قیامت بدترین کفار کے ساتھ ہوگا۔ اور یہ کہ اس کردار کا حامل مسلمانوں کے خلاف طاغوتی طاقتوں کا ساتھ دے کر حقیقتاً اللہ اور اس کے دین سے بغاوت کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہے۔ یہ ہے ان کی صحیح صحیح پوزیشن جو ازروئے قرآن وسنت ہمارے سامنے آتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس موقع پر دینی طبقات کا کردار یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ واضح کرتے کہ شرعی اعتبار سے ہم نے بحیثیت قوم کتنا بڑا جرم کیا ہے اور یہ جو پڑوسی اسلامی حکومت اور مسلمان مجاہدین کے خلاف امریکہ کے ساتھ تعاون کا فیصلہ ہم نے بحیثیت قوم کیا ہے' اور جس پر ہم عمل پیرا بھی ہیں' یہ تو صریحاً اللہ اور اس کے دین سے بغاوت کے مترادف ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس حکومتی فیصلے کو ذہناً قبول نہ کریں اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہیں' کیونکہ منکرات کے خلاف آواز اٹھانا بھی دین کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔ اور پھر آخری درجے میں منکر کو ہاتھ کی قوت کے ساتھ بدلنے کا عزم بھی درکار ہے۔ منکرات کے خلاف عوام کی ذہن سازی

کر کے عوامی قوت کی مدد سے منکرات کو جڑ سے اُکھاڑنا بھی اصلاً علماء کرام کی ذمہ داری ہے: ((مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ بِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ...))۔ نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ سے منکر کے خلاف ہمیں یہی منہج ملتا ہے کہ پہلے زبان سے منکرات کے خلاف جہاد کیا جائے اور جب قوت فراہم ہو جائے تو قوت کے استعمال سے باطل نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ اس حوالے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے اور ہم اس کے قائل ہیں کہ فاسق وفاجر مسلمان حکمران کے خلاف مسلح بغاوت بھی ہو سکتی ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کی تیاری اتنی ہو کہ آپ کو یقین ہو کہ جب آپ مسلح بغاوت کریں گے تو حکومت کا تختہ الٹ سکیں گے اور اپنی حکومت قائم کر سکیں گے۔ اگر اتنی تیاری نہیں ہے اور پھر بھی آپ خروج کرتے ہیں تو یہ فساد ہے۔ اس لیے کہ اس کے نتیجے میں قتل وخونریزی ہوگی اور پھر حکومت بھی وہیں کی وہیں رہے گی۔ لہٰذا اسی اصول کے تحت علماء کو آگے بڑھنا چاہیے۔ اور علماء اب اس نتیجے تک پہنچ چکے ہیں کہ اس دور میں راستہ وہی ہے جو بانی محترمؒ نے تجویز کیا تھا کہ ایک انقلابی جماعت بنے' قرآن کی تعلیمات عام کی جائیں' منکرات کے خلاف آواز اٹھائی جائے' لوگوں کے اندر منکرات' باطل نظام اور طاغوتی نظام کے خلاف شعور پیدا کیا جائے' انہیں باطل نظام کے خلاف جان ومال قربان کرنے پر آمادہ کیا جائے اور پھر ایک عوامی تحریک برپا کی جائے جو اس جمے ہوئے نظام کی دھجیاں بکھیر دے اور اسے سیلاب میں بہا کر لے جائے۔ اب علماء کے بہت سے طبقات نے تسلیم کر لیا ہے کہ کرنے کا اصل کام یہی ہے۔ باقی جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں قتال ہی آخری چیز ہے تو اس کا انکار ہم بھی نہیں کرتے' لیکن پہلے اس کی شرط تو پوری کریں کہ اتنا اسلحہ اور اتنا ساز وسامان ہو کہ جس سے یقین کی حد تک گمان پیدا ہو جائے کہ اگر ہم اس طاغوتی نظام کے خلاف مسلّح جدّوجُہد کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ اس معاشرے میں بحالاتِ موجودہ مستقبل قریب میں یہ ممکن نہیں ہے' لیکن اس سے بہت پہلے یہ کام ہو سکتا ہے کہ ایسی بھرپور عوامی تحریک برپا کی جائے جس سے یہ طاغوتی نظام جڑ سے اُکھڑ جائے۔ (واضح رہے کہ گوریلا طرز کی جنگ صرف مخصوص پہاڑی علاقوں میں لڑی جا سکتی ہے' میدانی علاقوں میں نہیں!)

اس کام کے لیے ایک ایسی انقلابی جماعت کا ہونا بے حد ضروری ہے جس کے اندر وہ لوگ شامل ہوں جو اولاً خود اپنے وجود پر اور اپنے گھروں میں اسلام کو نافذ کر چکے ہوں اور جماعتی نظام اور ڈسپلن کے خوگر ہو چکے ہوں۔ محض ہجوم کے ذریعے یہ منزل سر نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین! ❁❁❁

نفاذِ شریعت کے لیے طریقِ کار پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی کا اتفاق

انجینئر نوید احمد

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ۱۹۷۵ء میں تنظیمِ اسلامی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُنہوں نے اِس فیصلہ سے قبل ۱۹۷۴ء میں ایک خطاب کے دوران اِس فیصلہ کا پس منظر بیان کیا۔ اُن کے نزدیک جماعتِ اسلامی کے قیام کا مقصد تو حکومتِ الٰہیہ کا قیام تھا' لیکن انتخابی سیاست میں آنے کی وجہ سے اب اُس کی اوّلین ترجیح جمہوریت کی بحالی بن چکی ہے۔ اپنے مذکورہ خطاب میں ڈاکٹر صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

''۱۹۴۷ء میں جیسے ہی مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور پاکستان کے نام سے ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہوئی اور متعدد اسباب سے ایک توقع سی نظر آئی کہ یہاں اسلام کے نام پر ایک سیاسی تحریک چلائی جاسکتی ہے' اُنہوں ☆ نے اپنے اُصولی موقف کو ترک کر کے' بغیر اِس کے کہ کوئی علمی وفکری انقلاب آیا ہو یا اخلاقی وعملی تبدیلی معاشرے میں برپا ہوئی ہو' نظامِ حکومت کی 'اصلاح' کے لیے عملی سیاست کے میدان میں قدم رکھ دیا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ توقع تو موہوم سے موہوم تر ہوتی چلی گئی' البتہ سیاست کی سنگلاخ وادی میں یہ تحریک ''وَلٰکِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ'' کے مصداق پست تر موقف اختیار کرنے پر مجبور ہوتی چلی گئی۔

پہلے خیال تھا کہ خالص اسلام کے نام اور محض اپنے زورِ بازو کے بل پر یہ مرحلہ سر ہوجائے گا' لہٰذا کمالِ شانِ استغناء کے ساتھ دوسری سیاسی جماعتوں کی اشتراکِ عمل کی پیشکشوں کو ٹھکرا دیا گیا۔ جب پنجاب کے ۱۹۵۱ء کے الیکشن کے بعد یہ مغالطہ دُور ہوا تو خیال ہوا کہ مذہب کے نام پر دوسری مذہبی جماعتوں کے تعاون سے یہ مہم سر کی جائے۔

☆ مولانا مودودیؒ

پھر جب معلوم ہوا کہ یہ بھی ممکن نہیں اور چڑھائی اتنی سخت ہے کہ گاڑی اِس سیکنڈ گیئر میں بھی آگے نہیں بڑھ سکتی تو گویا پہلا گیئر آزمایا گیا اور ایک درجہ اور نیچے اُتر کر محض جمہوریت کے نام پر مذہبی ولادینی تمام عناصر کے ساتھ مل کر آگے بڑھنے کی کوشش کی گئی۔ سابق صدر ایوب مرحوم کا پورا گیارہ سالہ دورِ حکومت اِسی ''بحالیٔ جمہوریت'' کی مہم کی نذر ہوگیا۔ لیکن جب اُن کے اقتدار کی عمارت گری تو اُس کے ملبے سے کچھ 'اور' ہی برآمد ہوگیا!

ہمارے پیشِ نظر اِس وقت نہ تو تاریخ نگاری ہی ہے نہ جماعتِ اسلامی کے مستقبل کے بارے میں کوئی پیش گوئی یا قیاس آرائی' نہ ہم اِس وقت اِس بحث ہی میں الجھنا چاہتے ہیں کہ مولانا مودودی کے اِس 'انقلابِ حال' کے اسباب کیا تھے (اِس پر ہم اپنی تالیف ''تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ'' میں مفصل بحث بھی کر چکے ہیں) ہمیں اِس معاملے کے جس پہلو سے اصل دلچسپی ہے وہ یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کے اِس 'انقالِ موقف' سے احیائے اسلام کے ہمہ جہتی عمل میں ٹھیٹھ اُصولی اسلامی تحریک کی جگہ پھر سے خالی ہوگئی اور اِس مہیب خلا کو پُر کرنے کی کوئی صورت تا حال پیدا نہیں ہوئی جو اپنے پیش رو مولانا آزاد اور ان کی جماعت حزبُ اللہ کی طرح مولانا مودودی اور اُن کی قائم کردہ جماعت اسلامی نے جیتے جی مرحوم ہوکر پیدا کیا ہے''۔ (۱)

اِس کے بعد ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''جماعتِ اسلامی کے موقف میں یہ تبدیلی اُصولاً ۱۹۴۷ء ہی میں پیدا ہوگئی تھی' لیکن کم وبیش دس سال یہ اپنی قوت کے زور میں بڑھتی چلی گئی اور اس تبدیلی کا احساس بھی لوگوں کو نہیں ہوا۔ لیکن ۵۶-۵۷ء میں جماعت میں اِس احساس نے زور پکڑا اور طریقِ کار کے بارے میں ایک اختلافِ رائے ظاہر ہوا جس نے ایک ہنگامے کی صورت اختیار کرلی۔ نتیجتاً جماعت کے 'اکابر' کی اکثریت چند 'اصاغر' سمیت جماعت سے کٹ گئی۔ اُن 'اصاغر' میں سے ایک اِن سطور کا راقم بھی ہے۔ بعدازاں 'بڑے' تو اپنے اپنے 'بڑے' کاموں میں مشغول ومصروف ہوگئے' لیکن یہ 'چھوٹا' ؎

''ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک
اِس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک!''

کے مصداق اپنے دل ودماغ کو اُس جنّتِ گم گشتہ کے خیال سے فارغ نہ کرسکا' بلکہ جیسے جیسے دن بیتے اُس کا حال یہ ہوتا چلا گیا کہ ؎

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بوگئی
شرکتِ غم سے یہ اُلفت اور محکم ہوگئی!

وہ جب جماعت سے علیحدہ ہوا' اُس کی عمر کُل پچیس برس تھی۔ بالکل نَوعمری کا عالم' نہ علم نہ تجربہ' لہٰذا پورے دس برس اُس نے اِس انتظام میں بسر کیے کہ 'بڑوں' میں سے کوئی ہمت کرے اور از سرِنو سفر کا آغاز کردے۔ لیکن اللہ کو یہ بھی منظور نہ ہوا' تا آنکہ ۶۶-۶۷ء میں اُس نے خود کمرِ ہمت کسی اور بفحوائے الفاظِ قرآنی "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ" ("یقیناً یہی قرآن ہے جو رہنمائی فرماتا ہے اُس راہ کی طرف جو سب سے سیدھی اور سب سے درست ہے!") درسِ قرآن کی صورت میں ٹھیٹھ اسلامی دعوت کے لیے ذہنی وفکری سطح پر میدان ہموار کرنے کا کام شروع کردیا۔ اُس کے کام کو اللہ نے شرفِ قبول عطا فرمایا اور چند ہی سالوں میں اُس کے قائم کردہ 'حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن' کی کوکھ سے 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' برآمد ہوگئی اور اب اُس کے بھی دو ہی سال بعد وہ اسی ٹھیٹھ اُصولی اسلامی تحریک کے اِحیاء کے لیے "تنظیمِ اسلامی" کے قیام کا ارادہ کر رہا ہے!

اُسے خوب معلوم ہے اُس کے پاس نہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی سی عبقریت اور ذہانت وفطانت ہے' نہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی سی صلاحیتِ کار اور محنت ومشقت کا مادّہ۔ پھر نہ وہ شعلہ بیان خطیب ہے نہ صاحبِ طرز ادیب' بایں ہمہ ایک احساسِ فرض ہے جو چین نہیں لینے دیتا اور ایک عظیم تحریک کی امانت کے بار کا احساسِ گراں ہے جس نے اُسے ع "ہر چہ باداباد' ما کشتی در آب انداختیم" کے مصداق اِس پُرخطر وادی میں کود پڑنے پر مجبور کردیا ہے!"(۲)

ڈاکٹر صاحب کی رائے تھی کہ انتخابی سیاست میں دیگر جماعتوں کا حریف بن کر اسلام کے نفاذ کے مشن کو متنازعہ معاملہ (issue) بنا دیا جاتا ہے۔ پھر عملی جدّوجُہد میں جمہوریت کو نفاذِ اسلام پر ترجیح دے دی جاتی ہے۔ نفاذِ اسلام کے لیے موجودہ حالات میں کامیابی کا امکان پُرامن احتجاجی جدّوجُہد کے ذریعہ نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ خطاب جولائی ۱۹۷۴ء میں کیا تھا۔ اِس کے دو ماہ بعد ستمبر ۱۹۷۴ء میں تحریکِ ختمِ نبوت نے احتجاجی طریق کار اختیار کرتے ہوئے شاندار کامیابی حاصل کی۔ اِس کامیابی کو مثال بناتے ہوئے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ماہنامہ "البلاغ" میں دینی سیاسی جماعتوں کو نفاذِ شریعت کے لیے احتجاجی طریقِ کار اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"جو حضرات اسلامی نظام کی خاطر سیاست میں اور پھر اسمبلی میں داخل ہوئے تھے وہ یہ سوچ کر مطمئن ہیں کہ جمہوریت اسلامی نظام کی پہلی سیڑھی ہے' لہٰذا اِس راہ میں ہماری ہر کوشش اسلام ہی کی خاطر ہے' جب یہ پہلی سیڑھی طے ہو جائے گی تو ہم اسلام کے لیے آگے بڑھیں گے۔ مشکل یہ ہے کہ وقت ایسا فلسفی نہیں ہے جو اِن منطقی توجیہات کی رعایت کر کے اپنی رفتار بدل دے۔ اُس کا سفر تو لگاتار جاری ہے' اور الحاد و بے دینی کے جو بیج عرصۂ دراز پہلے بوئے گئے تھے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تناور درخت بن چکے ہیں' ان پر نت نئے پھل پھول آرہے ہیں۔ ہم اٹھائیس سال☆ سے ان درختوں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے اس بات کے منتظر ہیں کہ پہلے ان تک پہنچنے کا راستہ صاف اور آرام دہ ہو' قطع نظر اس سے کہ جب تک یہ آرام دہ راستہ تیار ہوگا اُس وقت تک یہ درخت کتنے جوان اور توانا ہو چکیں گے اور ان کی آل اولاد پیدا ہو کر کتنی طاقت ور بن چکی ہوگی"۔(۳)

بعد ازاں اپنی دردمندانہ گزارشات کا خلاصہ مفتی صاحب نے اِن الفاظ میں پیش فرمایا:

"عرصہ سے ہماری سیاسی سرگرمیوں میں جمہوریت کے مطالبے کا عنصر زیادہ اور نفاذِ شریعت کے سنجیدہ مطالبے کا عنصر کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری دینی' سیاسی جماعتیں جمہوری آزادیوں کی طرف اِس درجہ متوجہ ہیں کہ اسلام کے نفاذ سے متعلق بہت سے ضروری کام نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ ہم نے 'اسلامی نظریاتی کونسل' کو بطورِ مثال پیش کر کے عرض کیا تھا کہ بحالاتِ موجودہ نفاذِ شریعت کی جدّوجُہد کا پہلا قدم اس کونسل کی اصلاح ہونا چاہیے اور افسوس کہ اِس کی طرف کسی نے بھی خاطر خواہ توجہ نہیں کی"۔(۴)

مفتی صاحب کی اِن گزارشات کو ہفت روزہ "ایشیا" کے مدیر نے اپنے اداریہ میں "سبکسارانِ ساحل" کا تبصرہ قرار دیا اور شکوہ کیا:

"ان کے (یعنی البلاغ کے) اِس شکایت نامے میں طنز وتعریض کے کانٹوں کی چُبھن محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی"۔(۵)

مدیر صاحب مزید لکھتے ہیں:

"جو لوگ عملی سیاست کے خم وپیچ کا تجربہ نہیں رکھتے وہ اس کا کم اندازہ کر سکتے ہیں کہ نکتۂ آغاز اور منزل کے درمیان کتنی وادیاں اور کتنے موڑ آتے ہیں' نیز یہ کہ ساحل پر

☆ یہ تحریر ۱۹۷۵ء کی ہے' یعنی قیام پاکستان کے اٹھائیس سال بعد کی۔

کھڑے لوگ حلقۂ موج کے اندر دامِ ہائے صد کام نہنگ سے واقف نہیں ہو سکتے''۔(۶)

مفتی صاحب نے مدیر صاحب کے تاثر اور شکوہ کا جواب اِن الفاظ میں دیا:

''اِن گزارشات سے ہمارا مقصد کسی نئے مباحثے کا دروازہ کھولنا اُس وقت تھا' نہ آج ہے۔ وہ تو اک دکھے ہوئے دل کی فریاد تھی جس میں تأثر کی شدت نے کچھ تلخ نوائی پیدا کر دی ہو تو اسے ہماری نااہلی سمجھ لیجئے کہ ہم سے ''نالہ پابندِ نَے'' نہ ہو سکا اور اس سے اگر کسی حساس دل کو واقعتاً ٹھیس پہنچی ہے تو ہمیں معذرت خواہی میں بھی تأمل نہیں' کیونکہ ہمارا مقصد دلوں کو ٹھیس پہنچانا تھا ہی نہیں' البتہ جو بات ہم نے عرض کی تھی اس پر چونکہ ہمیں آج بھی اصرار ہے اس لیے ہم اس کی تھوڑی سی مزید تشریح آج پھر پیش کرنا چاہتے ہیں: ع شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات!''(۷)

اس کے بعد مفتی صاحب تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہماری گزارش یہ ہے کہ ہم سبکسارِ ساحل سہی لیکن کیا ہم جیسے ساحل پر کھڑے ہوئے لوگ موجوں سے برسرِ پیکار جیالوں کو یہ بتانے کا حق بھی نہیں رکھتے کہ آپ کے عقب پر ایک ہولناک طوفان حملہ آور ہے۔ آپ کی اس ہمت و شجاعت پر ہزار آفریں کہ آپ 'آمریت' کے نہنگوں سے نبرد آزما ہیں تاکہ جب عوام اپنی رائے کا کھل کر اظہار کر سکیں تو ان کی کوششوں سے اسلام قائم ہو' لیکن نہنگوں کی اس فوج کی طرف توجہ دلانے والا گردن زدنی کیوں ہے جو سالہا سال سے لگاتار عوام کے دلوں سے اسلام کو کھرچنے میں مصروف ہے' تاکہ اگر کبھی عوام کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی نصیب ہو بھی جائے تو وہ اپنے اوپر خدا کے بجائے خواہشاتِ نفس کی حکمرانی قائم کریں' اور ان کی جمہوریت کے سائے میں انسدادِ فحاشی کے بجائے ہم جنس پرستی کے بل منظور ہوں۔ آپ اسلام کا مؤثر مطالبہ کرنے کے لیے اس بات کے منتظر ہیں کہ پہلے عوام کو تحریر و تقریر کے مواقع فراہم ہو جائیں اور وہ ان کے ذریعہ اسلام کی آواز بلند کر سکیں' لیکن اگر ان مواقع کے فراہم ہونے میں اٹھائیس سال اور لگ گئے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تحریر و تقریر کے یہ ذرائع کفر و الحاد کے پرچار اور لادینیت کے مطالبوں میں استعمال نہیں ہوں گے؟''(۸)

مدیر صاحب نے بحالیٔ جمہوریت کی جدّوجُہد کو نفاذِ شریعت کا ابتدائی مرحلہ قرار دیا اور اسے بھی کارِ اجر و ثواب قرار دیا۔ مدیر موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''جو عازمِ حج بنکوں' بازاروں اور ہسپتالوں کے چکر کاٹتا ہے اس کی یہ سرگرمیاں بھی عبادتِ حج کے ضمن میں آتی ہیں۔ اسی طرح جو شخص مسجد کی تعمیر کی لیے سرکاری دفتروں

اور چندہ دینے والوں کے پاس بھاگ دوڑ کرتا ہے وہ بھی تعمیرِ مسجد ہی کا ثواب حاصل کر رہا ہے''۔(۹)

مفتی صاحب اِس کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''ہم معاصر موصوف کے اس خیال سے حرف بحرف متفق ہیں' لیکن ہمارا سوال تو اس شخص کے بارے میں ہے جو حج کی درخواست اس لیے نہیں دیتا کہ ملک پر ظالم و جابر حکمران مسلّط ہیں اور پہلے انہیں اقتدار سے اتار کر ایک صحیح اسلامی حکومت قائم کرنا زیادہ ضروری ہے تاکہ لوگوں کو حج ادا کرنے کے لیے پریشانیاں اٹھانی نہ پڑیں اور وہ آزادی کے ساتھ یہ مقدس عبادت ادا کر سکیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کا حکم آپ کے نزدیک کیا ہے؟ نیز اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو مسجدوں کی تعمیر کی سنجیدہ کوشش اس لیے نہیں کرتا کہ دراصل یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور پہلے حکومت کو صحیح معنوں میں اسلامی بنا لیا جائے تو مسجدیں خود بخود تعمیر ہو جائیں گی۔

اتنی بات ہم جیسے سطح بینوں کی فہم سے بالاتر نہیں ہے کہ ایک عبادت کو ادا کرنے کے لیے جتنے کام ضروری ہوتے ہیں ان میں مصروف ہونا بھی عبادت ہی کا درجہ رکھتا ہے' لیکن اوّل تو ایسی ضروریات کی فہرست تیار کرنے میں زیادہ منطقی باریکیاں بھی بسا اوقات انسان کے اس ازلی دشمن کی طرف سے سجھائی جاتی ہیں جو کسی کو عبادت میں مصروف دیکھنا نہیں چاہتا۔ دوسرے وضو کرنا بے شک نماز سے بے رخی نہیں لیکن اگر کوئی شخص ساری زندگی وضو ہی کرتا رہے اور نماز کا نمبر ہی نہ آنے دے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ یہ بات بلاشبہ نماز کے آداب میں داخل ہے کہ تمام اعضاء کو خوب اچھی طرح تین تین بار دھویا جائے' اس کے سنن و مستحبات کی پوری رعایت کی جائے اور اس میں پورے اطمینان کا مظاہرہ کیا جائے' لیکن اگر ان آداب و سنن میں مشغول ہونے سے نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو کیا ان آداب کی ادائیگی پر اصرار فرائض سے بے رخی نہیں کہلائے گا؟ فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی ایسی نماز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جس کی قضا نہیں ہو سکتی (مثلاً نمازِ جنازہ) تو وضو کے بجائے تیمّم ہی پر اکتفا کر لینا چاہیے۔ لیکن جو شخص ایسے وقت میں بھی وضو ہی نہیں اس کے تمام آداب کی ادائیگی پُرمصر ہو کیا اس کی باریک بینی بھی قابلِ ستائش ہے؟''(۱۰)

مدیر موصوف نے اِس کے جواب میں حزبِ اختلاف کی وہ خدمات شمار کی ہیں جن کے ذریعہ ملک کو ایک قابلِ قبول دستور میسر ہوا۔ مفتی صاحب اِس پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

''ہمیں ان خدمات کا صدقِ دل سے اعتراف ہے' اور جہاں تک یاد ہے ہم نے اس کے اعتراف میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا' لیکن ہماری گزارش یہ ہے کہ جب تک ملک کا کوئی دستور نہیں تھا' یا ایسا دستور تھا جسے بدلے بغیر گاڑی نہیں چل سکتی تھی اس وقت تک حالات کچھ اور تھے' لیکن اب ایک ایسا آئین تیار ہو چکا ہے جس کے بارے میں حزبِ اختلاف کے رہنماؤں نے ہی بار بار اعتراف کیا ہے کہ وہ بعض قابلِ اصلاح امور کے باوجود بنیادی طور پر جمہوری ہے' کیا اب اسلام کی نام لیوا جماعتوں کو اپنی کوششوں کا رخ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی؟ کیا اب بھی ''جمہوریت کی بحالی'' ہی ملک کا سب سے بنیادی اور سب سے اوّلین مسئلہ ہے؟ کیا اب بھی اسلام کے نفاذ کی مؤثر کوشش (معاذ اللہ) بے وقت کی راگنی ہے؟ اور کیا اب بھی تن من دھن داؤ پر لگانے' خونِ معصوم کا نذرانہ پیش کرنے اور عوام کا امن وسکون بھینٹ چڑھانے کے لیے ''جمہوریت'' ہی کی دیوی باقی رہ گئی ہے؟ اگر حکومت کی طرف سے کچھ ناروا پابندیاں اب بھی باقی ہیں تو انہیں اٹھانے کی جدّوجُہد کا نفاذِ شریعت کی جدّوجُہد سے آخر کیا تعارض ہے؟ آپ نفاذِ شریعت کی کوشش کو اوّلیت دے کر ساتھ ساتھ ان پابندیوں کے خلاف کوشش اب بھی جاری رکھ سکتے ہیں' لیکن ''پہلے جمہوریت پھر اسلام'' وہی پرانا فارمولا آخر کب تک چلتا رہے گا؟ (۱۱)

مدیر صاحب نے اسلام کے لیے جدّوجُہد کی رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

''آپ عوام کی رائے دین کے حق میں ہموار کرنے کے لیے نکلتے ہیں' لیکن دفعہ ۱۴۴ آپ کا راستہ روک لیتی ہے' آپ اس غلط روش پر تنقید یا احتجاج کرنا چاہتے ہیں' لیکن قلم پکڑ لیا جاتا ہے' اور زبان بند کر دی جاتی ہے۔ کیا آپ اسے سیاست کی دلدل کہہ کر پیچھے ہٹ جائیں گے' یا جدّوجُہد کے لیے اور بھی کمر بستہ ہو جائیں گے؟'' (۱۲)

مفتی صاحب اِس دلیل کا جواب یوں دیتے ہیں:

''ہمیں معلوم نہیں کہ موجودہ حالات میں سیاسی جماعتوں کو پیچھے ہٹنے کا مشورہ کس نے دیا ہے؟ لیکن اس تصور کا کیا علاج ہے کہ نفاذِ شریعت کے لیے آگے بڑھنے کے مطالبے کو پیچھے ہٹنے کی تجویز سے تعبیر کیا جائے اور ''کمر بستہ'' صرف اُس شخص کو کہا جائے جو جمہوریت کے اندھے جھنڈے کے نیچے نعرے لگا رہا ہو؟ سوال یہ ہے کہ ختمِ نبوت کے لیے جو کامیاب تحریک چلائی گئی' دفعہ ۱۴۴ اِس کا راستہ کیوں نہیں روک سکی؟ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لیے جب رائے عامہ ہموار کی گئی تو اُس وقت زبان وقلم پر لگی

ہوئی ناروا پابندیاں کیوں آڑے نہیں آئیں؟ اس تحریک کے دوران بھی حکومت یہی تھی' ایمرجنسی بھی آج کی طرح قائم تھی' دفعہ ۱۴۴ کا ہتھیار بھی جگہ جگہ استعمال ہو رہا تھا' پریس پر پابندیاں بھی آج سے زیادہ تھیں۔ لیکن اِن تمام رکاوٹوں کے باوجود تحریکِ ختمِ نبوت پوری شان وشوکت کے ساتھ جاری رہی' اور بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اگر آپ اُس وقت بھی یہ دلیل استعمال فرماتے کہ جب تک جمہوری آزادیاں بحال نہ ہوں اُس وقت تک اس قسم کی تحریک چلانا بے سود ہے' اور بحالاتِ موجودہ ''بحالیٔ جمہوریت'' کے سوا کوئی اور تحریک چلانا بے کار ہے' تو کیا اُمّتِ مسلمہ کو یہ دن دیکھنا نصیب ہو سکتا؟

ہماری گزارش تو صرف اتنی تھی کہ ''اسلامی نظریاتی کونسل'' جس پر موجودہ دستور کے تحت نفاذِ شریعت کا دارومدار ہے اس کی اصلاح کے لیے کوئی مؤثر آواز کیوں بلند نہیں ہوتی؟ اور اس غرض کے لیے کوئی سوچی سمجھی تحریک کیوں نہیں چلائی جاتی؟ ہم فاضل معاصر سے بصد ادب یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ہمارے سوال کی کا کوئی جواب ان کی طویل تحریر میں موجود ہے؟ جس طرح آپ دفعہ ۱۴۴ کے باوجود جمہوریت کی بحالی کے لیے ''کمر بستہ'' ہو سکتے ہیں' جس طرح آپ زبان وقلم کی پابندیوں کے باوجود انتقالِ اقتدار کی تدبیریں سوچ سکتے ہیں' جس طرح آپ پریس کا گلا گھٹ جانے کے باوجود ''ختمِ نبوت'' کی تحریک چلا سکتے ہیں' اسی طرح ''نفاذِ شریعت'' کا ایک سوچا سمجھا پروگرام سوچ کر اور اس کے معین مطالبات طے کر کے اسلام کے لیے کوئی تحریک کیوں نہیں چلا سکتے؟

حقیقت یہ ہے کہ وقت کے اس اہم ترین سوال کا جواب برائے جواب دینا ہی پیشِ نظر ہو تو اس کی بہت سی تاویلات وتوجیہات اور دل کو تسلی دینے کی بہت سی باتیں سوچی جا سکتی ہیں' لیکن اگر ہم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس سوال کا وہ جواب تلاش کرنا چاہیں جو ہمارے ضمیر کو مطمئن کر سکے تو وہ اس کے سوا نہیں ہوگا کہ ''نفاذِ شریعت'' کا وہ جذبہ بیتاب ہمارے دلوں میں سرد پڑتا جا رہا ہے جو کوئی تحریک چلانے کے لیے روحِ رواں کا کام کرتا ہے۔ ''جمہوریت'' کے نعرے لگاتے لگاتے ہم نے اپنی ترجیحات کی ترتیب عملاً بدل ڈالی ہے' لادینی جماعتوں سے اشتراک کے نتیجے میں جمہوری آزادیوں کی بحالی اور حکومت بدلنے کی خواہش ہماری نظر میں ''نفاذِ شریعت'' سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے' ورنہ جس طرح ''تحریکِ ختمِ نبوت'' کے وقت واقعتاً جوش وخروش تھا اور دل سے چاہا گیا تھا کہ یہ تحریک پوری شوکت کے ساتھ چلے' اس لیے دفعہ ۱۴۴ اور پریس

کی پابندیاں اس تحریک کا راستہ نہ روک سکیں‘ اسی طرح اگر ’’نفاذِ اسلام‘‘ کی سچی تڑپ موجود ہو‘ ہم لادینی جماعتوں کے شور وشغب سے مرعوب ہونا چھوڑ دیں‘ اور اپنی سوچ بچار اور عملی جدّوجُہد میں ’’نفاذِ شریعت‘‘ کے مطالبے کو وہی اہمیت دیں جس کا وہ مستحق ہے تو یقین کیجیے کہ ’’دین کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کا کام‘‘ جو فاضل معاصر کے بقول دفعہ ۱۴۴ کی وجہ سے تعطل کا شکار ہے‘ آج بھی ہوسکتا ہے‘‘۔ (۱۳)

اپنی گزارشات کے آخر میں مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’آخر میں یہ گزارش ضرور ہے کہ اسلام کے نام لیوا جماعتوں کی نیت نہ ہم پہلے زیر بحث لائے تھے اور نہ آج وہ زیر بحث ہے۔ ہماری معروضات سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ خدانخواستہ ہم تمام اسلام کے نام لیوا جماعتوں کی نیت پر حملہ آور ہیں‘ بلکہ غلطیاں پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی ہوسکتی ہیں۔ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی کام میں ایک نیک نیت شخص کا انہماک غلو کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور بعض دوسرے پہلو اُس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور ایک فرومایہ شخص جو اس کام میں منہمک نہیں اپنی ’’سبکساریٔ ساحل‘‘ کے باوجود انہیں محسوس کر لیتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ ان خاص پہلوؤں کی طرف توجہ دلائے تو اس پر ملول ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے غور کر لینا خواصی وشجاعت کے منافی نہیں‘ بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔

ہم جس بات کو دیانۃً فیما بیننا وبین اللہ حق سمجھتے ہیں‘ اور جسے اپنے ملک کی دینی و سیاسی جماعتوں تک پہنچانا ہم اپنا فرض سمجھتے تھے‘ اس کا اظہار آج دوبارہ ہم کر چکے‘ اگر ملت کے رہنماؤں کو ہماری ان دردمندانہ معروضات میں کوئی بات قابلِ قبول محسوس ہو تو اسے قبول فرمائیں اور اگر ہم اب بھی مطمئن نہ کر سکے ہوں تو اللہ اپنے دین کا کفیل ہے‘ اسی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اور رہنمایانِ قوم کو بھی اس راستہ کی ہدایت فرمائے جو ملک وملت کے لیے مفید تر ہو۔ آمین‘‘۔ (۱۴)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تو اس پر متفق ہیں کہ نفاذِ شریعت انتخابی طریقہ سے نہیں بلکہ احتجاجی طریقہ ہی سے ممکن ہے۔ الحمدللہ! سابق امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد صاحبؒ بھی اب اسی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مورخہ ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۲ء کو روزنامہ جنگ میں ’’ایک نئی انقلابی قیادت..... پاکستان کی ضرورت‘‘ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

’’اس میں شک نہیں کہ آزاد اور غیر جانبدارانہ انتخاب وقت کی اہم ضرورت ہے اور

ملک میں جمہوریت کے تسلسل کا تقاضا ہے کہ بروقت غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انتخابات کے مناسب انتظامات کیے جائیں‘ لیکن موجودہ حالات میں کسی عبوری حکومت کے لیے‘ چاہے اس کا سربراہ کتنا بھی غیر جانبدار اور امین کیوں نہ ہو‘ مکمل طور پر صاف ستھرے انتخابات منعقد کرنا ممکن نہیں ہوگا‘ کیونکہ انتخابی عمل میں انتخابی امیدواروں اور انتظامیہ کا بنیادی کردار ہوتا ہے اور فی الحال ہمیں وہ انتخابی عملہ اور وہ صاف ستھری انتظامیہ میسر نہیں ہے۔ انتظامیہ کی اصلاح کرنا کسی عبوری حکومت کے بس کی بات نہیں‘ اس کے لیے کسی انقلابی حکومت کی ضرورت ہے۔ فی الحال انتخابات کے نتیجے میں ہمیں کسی انقلابی تبدیلی کی توقع نہیں کرنی چاہیے‘ البتہ جزوی اصلاح کے لیے نسبتاً بہتر حکومت کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ ہم جن سازشی طاقتوں کے نرغے میں ہیں اور جس گھمبیر صورت حال کا ہمیں سامنا ہے اس سے نکلنے کے لیے مصر اور تیونس کی طرز کے عرب بہار کی طرح ایک پاکستانی بہار کی ضرورت ہے۔‘‘

حواشی

(۱) ڈاکٹر اسرار احمد‘ تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر‘ مکتبہ تنظیم اسلامی‘ جون ۲۰۰۵ء‘ ص ۳۹ تا ۴۰
(۲) ایضاً‘ ص ۴۰ تا ۴۲
(۳) مفتی محمد تقی عثمانی ‘نفاذِ شریعت اور اُس کے مسائل‘ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴‘ رجب ۱۴۳۰ھ ص ۱۰۸ تا ۱۰۹
(۴) ایضاً‘ ص ۱۰۵ (۵) ایضاً‘ ص ۱۰۶ (۶) ایضاً (۷) ایضاً (۸) ایضاً‘ ص ۱۰۶ تا ۱۰۷
(۹) ایضاً‘ ص ۱۰۷ (۱۰) ایضاً‘ ص ۱۰۷ تا ۱۰۸ (۱۱) ایضاً‘ ص ۱۰۹ (۱۲) ایضاً‘ ص ۱۰۹ تا ۱۱۰
(۱۳) ایضاً‘ ص ۱۱۰ تا ۱۱۱ (۱۴) ایضاً‘ ص ۱۱۱ تا ۱۱۲

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک جامع خطاب

نماز کے باطنی آداب

عتیق الرحمٰن صدیقی

قرآن حکیم نے نماز کے لیے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ لفظ کسی شے کی طرف متوجہ ہونے کے لیے آتا ہے۔ اسی معنویت کے تناظر میں یہ لفظ رکوع، تعظیم و تضرع اور دعا کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس طرح یہ ایک جامع اصطلاح ہے۔ قرآن وسُنّت نے اس کی پوری توضیح کر دی ہے اور قولی و عملی تواتر نے بھی اس کی شکل و ہیئت اور اس کے اوقات کو واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن حکیم میں بارہا ہمیں یہ الفاظ پڑھنے کو ملتے ہیں: ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ یعنی نماز کو قائم کرو —— اقامت کے معنی کسی چیز کو کھڑا کرنے یا اس طرح سیدھا کرنے کے ہیں کہ اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ باقی نہ رہے۔ لہٰذا اقامتِ صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کی جائے، اس کے اصل مقصود پر دل جما رہے، خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کا ذکر جاری رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس ذکر کو جس طرح ادا کرنے کا حکم دیا ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہ کی جائے اور اس کی پوری پوری حفاظت کی جائے۔ انسان نہ صرف پابندی کے ساتھ نماز ادا کرے بلکہ اجتماعی طور پر نماز کا نظام قائم کیا جائے۔

نماز عاجزی و سرافگندگی کے اظہار کی ایک بہترین شکل ہے اور ایمان کا اولین مظہر ہے۔ قرآن نے ایمان کی شہادت کے بعد سب سے پہلے نماز کا تذکرہ کیا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ.....﴾ (البقرۃ:۲۷۷) ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے اور نماز قائم کی.....'' اسی طرح سورۃ الاعراف میں فرمایا: ﴿وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ﴾ (آیت ۱۷۰) ''اور وہ لوگ جنہوں نے کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور نماز قائم کی'' —— نماز دراصل جسم اور روح دونوں کی

عبادت ہے۔ اگر اعضائے جسم کی حرکت کے ساتھ اس میں دل کی جنبش شامل نہ ہو اور روح میں بالیدگی اور اہتزاز پیدا نہ ہونے پائے تو ایسی بے سرور اور بے کیف نماز اس پھول کی مانند ہوگی جس میں کوئی خوشبو نہ ہو اور آسودۂ بصارت ہونے کی صلاحیت بھی مفقود ہو۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں نماز کے لیے جو الفاظ (صلوٰۃ، دعا، تسبیح اور ذکر) استعمال ہوئے ہیں وہ نماز کے آداب اور اس کی روحانی خصوصیات پر دال ہیں۔ نماز کو اس کے تمام آداب و ارکان کے ساتھ بجالانا اور دورانِ نماز اس کے ارکان کے اعتدال اور باطنی خشوع و خضوع کا ملحوظ رکھا جانا ہی صحیح نماز ہے۔

اگر دل میں ایمان کی چنگاری شعلہ فشاں ہو تو وہ ظاہر کو بھی متاثر کرتی ہے اور نماز کے ارکان و سنن میں ایسی تعدیل پیدا کرتی ہے کہ بندگی کا حسن فزوں تر ہو جاتا ہے۔ پھر سراپا بندگی کی یہ منفرد نوعیت کی شان عام انسان کے جذب و شوق میں نمایاں طور پر اضافے کا موجب بنتی ہے۔ دعاؤں، تسبیحوں، قراءتوں اور عجز و نیاز سے معمور نماز کی ہیئت اللہ کی خشیت اور عظمت میں نمو اور بڑھوتری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ باطن کی حرارت جتنی تیز تر ہوگی اس سے ظاہر کی صورت بھی اتنی ہی دلکشا اور جاذبِ نظر ہوگی۔ نماز کے باطنی آداب میں اہم چیز کو ''قنوت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ القنوت (ن) کے معنی خضوع کے ساتھ اطاعت کا التزام کرنے کے ہیں: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ﴾ (البقرۃ) ''اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے رہا کرو'' میں بعض نے قانتین کے معنی طائعین کیے ہیں، یعنی اللہ کے حضور اطاعت کی حالت میں کھڑے رہا کرو اور بعض نے اس کے معنی فاضعین کیے ہیں، یعنی خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ کے حضور کھڑے رہا کرو۔ اسی طرح ارشاد ہوا: ﴿کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ﴾ (البقرۃ) ''سب اس کے فرمانبردار ہیں'' —— اسی بنا پر جب نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((طُوْلُ الْقُنُوْتِ)) یعنی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہو جانا اور اس کے ماسوا سے توجہ پھیر لینا۔ سورۃ النحل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا﴾ (آیت ۱۲۰) ''بے شک ابراہیمؑ (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے۔''

مولانا سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں کہ قنوت عجیب جامع لفظ ہے، لغت (لسان العرب) میں اس کے حسب ذیل معنی ہیں: چپ رہنا، بندگی کرنا، دعا مانگنا، عبادت کرنا، کھڑے رہنا، عاجزی کرنا۔ نماز کے جس قنوت کا اس آیت میں ذکر ہے اس کے متعدد معنوں

میں سے ہر معنی نماز میں مقصود ہیں۔ یہ دعا بھی ہے' عبادت بھی ہے' اس میں دیر تک قیام بھی ہے اور عاجزی کا اظہار بھی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی کسی نماز میں کم ہو تو اسی قدر نماز کے اوصاف میں کمی ہو جائے گی۔ (سیرت النبیؐ جلد پنجم)

نماز میں عجز و نیاز کی کیفیت باطنی ادب کا ایک اہم حصہ ہے۔ ''الخُشوع'' کے معنی ضراعۃ یعنی عاجزی کرنے اور جھک جانے کے ہیں' مگر زیادہ تر خشوع کا لفظ جوارح (اعضاء) اور ضراعت کا لفظ قلب (دل) کی عاجزی پر بولا جاتا ہے۔ اسی لیے ایک روایت میں ہے: ((اِذَا ضَرَعَتِ الْقَلْبُ خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ)) ''جب دل میں فروتنی ہو تو اس کا اثر جوارح پر ظاہر ہو جاتا ہے''۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹﴾ (بنی اسراءیل) ''اور اس سے ان میں زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے''۔ فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے والے اہلِ ایمان کا یہ وصف بیان فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲﴾ (المؤمنون) ''(اہلِ ایمان وہ ہیں) جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں''۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ (القلم:۴۳) ''ان کی آوازیں پست ہو جائیں گی اور ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی''۔

صاحبِ تفہیم القرآن لکھتے ہیں:

> ''دل کا خشوع یہ ہے کہ آدمی کسی کی ہیبت اور عظمت و جلال سے مرعوب ہو اور جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب وہ اس کے سامنے جائے تو سر جھک جائے' اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں' نگاہ پست ہو جائے' آواز دب جائے اور ہیبت زدگی کے وہ سارے آثار اس پر طاری ہو جائیں جو اس حالت میں فطرتاً طاری ہو جایا کرتے ہیں' جبکہ آدمی کسی زبردست باجبروت ہستی کے حضور پیش ہو۔ نماز میں خشوع سے مراد دل اور جسم کی یہی کیفیت ہے اور یہی نماز کی اصل روح ہے۔'' (تفہیم القرآن' جلد سوم)

نماز دراصل اللہ کی بارگاہ میں اپنی بے چارگی' مسکینی اور افتادگی کا اظہار ہے۔ یہ کیفیت مفقود ہو تو گویا نماز کی اصل غرض و غایت نگاہوں سے اوجھل ہے۔

نماز میں باطنی آداب کا ایک اہم پہلو ''تبتّل'' ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸﴾ (المزمل) ''اور اخلاصِ نیت اور عبادت میں سب سے کٹ کر اُسی (ایک اللہ) کی طرف متوجہ ہو جاؤ''۔ چنانچہ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿قُلِ

اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ﴾ (الانعام:۹۱) ''کہہ دو کہ (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا تھا) پھر ان کو چھوڑ دو''۔ لہٰذا مندرجہ بالا سورۃ المزمل کی آیت ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸﴾ اور حدیث ((لَا رَهْبَانِيَّةَ وَلَا تَبَتُّلَ فِي الْاِسْلَامِ)) کے درمیان منافات نہیں ہے' کیونکہ حدیث میں جس تبتل سے منع کیا گیا ہے وہ نکاح سے کنارہ کشی اور انقطاع ہے اور اسی معنی میں حضرت مریم سلامٌ علیہا کو العذراء البتول کہا جاتا ہے' کیونکہ وہ عمر بھر ازدواجی زندگی سے کنارہ کش رہیں — اور ترکِ نکاح شرعاً ممنوع ہے۔ (مفردات القرآن)

لفظ تبتّل کے حقیقی معنی کٹ جانے کے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں: اللہ کے سوا ہر چیز سے کٹ کر صرف ایک اللہ ہی کا ہو جانا۔ قرآن پاک میں اس کا حکم نماز کی حالت سے متعلق ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸﴾ (المزمل) ''بے شک رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور مؤثر ہوتا ہے۔ (اے نبیؐ!) آپ کے لیے دن کو تو بڑی مصروفیات ہیں۔ اپنے پروردگار کا نام لیجیے اور ہر چیز سے کٹ کر اس کی طرف ہو جائیے''۔ یعنی نماز ادا کرتے ہوئے اس کی عظمت اور اپنی عاجزی کے سوا ذہن میں کچھ نہ ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے جو نماز سکھائی اس کے متعلق یہ فرمایا کہ وضو کر کے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوا' پھر اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد و ثناء کی اور اللہ کی اس بزرگی کا اظہار کیا جس کا وہ سزاوار ہے' اور اپنے دل کو اللہ کے لیے ہر چیز سے خالی کر لیا۔ (صحیح مسلم)

نماز کے آداب باطنی میں ''تضرع'' اس کا لازمی جزو ہے جس کے لغوی معنی زاری' عاجزی اور عجز کے ساتھ درخواست کرنے کے ہیں۔ نماز میں زاری اور عجز و الحاح کے ساتھ سوال کرنے کی کیفیت طاری ہونی چاہیے۔ قرآن کا حکم بھی یہی ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (الاعراف:۵۵) ''تم اپنے پروردگار کو مسکنت اور زاری کے ساتھ اور دھیمی آواز سے پکارو''۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: ''(اے محمد ﷺ!) ان سے پوچھیے صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ سورۃ الاعراف کے آخر میں تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً کے الفاظ استعمال بھی ہوئے ہیں۔ سورۃ الاعراف ہی میں ایک مقام

پر فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ﴿۹۴﴾﴾ (الاعراف) ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اُتر آئیں''۔ بندگی رب میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے یہی کیفیت مطلوب ہے۔

نماز کے آداب کا جوہر ''اخلاص'' ہے' یعنی نماز صرف اللہ کے لیے ہو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز میں ریا اور نمود کے ڈانڈے شرک سے ملتے ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا: ﴿وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ (الاعراف: ۲۹) ''اور تم ہر نماز کے وقت اپنے رخ کو ٹھیک رکھو اور اللہ کو اخلاص کے ساتھ پکارو''۔ نماز کی بحسن وخوبی تکمیل میں اخلاص کو بنیادی حیثیت حاصل ہے' یعنی وہ خالص اللہ کی یاد سے مملو ہو۔ اسی لیے فرمایا گیا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴿۱۴﴾﴾ (طٰہٰ) ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو''۔ نماز بندے کو اپنے ربّ سے قریب کر دیتی ہے: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴿۱۹﴾﴾ (العلق) ''اور سجدہ کر اور قریب ہو جا''۔ نماز کے ذریعے بندے کو اللہ سے جو تقرب حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعے سے حاصل نہیں ہو پاتا۔ فرمایا: ((اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ)) (مسلم) نماز پڑھتے ہوئے دراصل بندہ اپنے ربّ سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ فرمایا: ((اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِیْ رَبَّهٗ)) (متفق علیہ) گویا نماز پڑھنے والا اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتا ہے۔

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اسے سمجھنے کی سعی وکوشش ضروری ہے۔ سورۃ الفاتحہ و دیگر ادعیہ کے معانی کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ بے سمجھے بوجھے صرف الفاظ کی مشق سے قانونی وفقہی طور پر نماز تو ادا ہو جائے گی' مگر وہ حقیقی روح سے خالی ہوگی۔ گویا فہم وتدبر سے کام لینا' پڑھی جانے والی دعاؤں پر توجہ مرکوز رکھنا ضروری ہے تاکہ دل اس کا اثر قبول کرے۔ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھنے کی ہدایت اسی بنا پر کی گئی ہے کہ نمازی اس امر سے غافل ہو جاتا ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ۴۳) ''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ (اتنا ہوش آ جائے کہ) جو تم کہو اس کو سمجھو'' —— نیند کے غلبہ کی صورت میں بھی آدمی فہم وتدبّر سے عاری ہوتا ہے اس لیے اس وقت بھی نماز پڑھنے سے منع کیا

گیا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب تم پر نیند غالب ہو جائے تو سو جاؤ' کیونکہ اگر نیند کی حالت میں نماز پڑھو گے تو ممکن ہے دُعا کے بجائے اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگو''۔ (صحیح مسلم) ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نمازی کو جب نیند آ جائے تو سو جانا چاہیے تاکہ جو وہ کہتا ہے وہ سمجھے۔'' (صحیح البخاری)

نماز کے باطنی آداب کو ملحوظ رکھے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ نماز کے ظاہری آداب سے صرفِ نظر کرنے سے جس طرح نماز ناقص رہ جاتی ہے' اسی طرح باطنی آداب سے غفلت بھی نماز کو متاثر کرتی ہے۔ اس حوالے سے قرآن حکیم میں فرمایا گیا: ﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ﴿۴﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴿۵﴾ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ﴿۶﴾﴾ (الماعون) ''پھٹکار ہو ان نمازیوں پر جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں۔ جو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں''۔ نماز کے صحیح وقت کو ٹالنا' بے دلی کے ساتھ اٹھنا' بادل نخواستہ دو چار ٹھونگے مار لینا' نماز پڑھتے ہوئے کپڑوں سے کھیلتے رہنا' جماہیاں لیتے رہنا اور نماز اس طرح پڑھنا کہ نہ رکوع درست ہو نہ سجدہ' اور یہ احساس تک نہ ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے' بارگاہِ ربّ العزت میں کھڑا ہو کر دوسرے خیالوں میں مگن رہنا' ایسی مشق اجر وثواب سے محرومی کا باعث ہوتی ہے اور یہ حقیقی نماز سے غفلت اور عدمِ توجّہ کے مترادف ہے۔ یہ منافقین کی سی کیفیت ہے۔ قرآن مجید نے اس کو اس طرح بیان کیا: ﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰی وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴿۵۴﴾﴾ (التوبۃ) ''وہ (منافقین) نماز کے لیے نہیں آتے مگر کسمساتے ہوئے اور وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے مگر بادل نخواستہ''۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ منافق کی نماز ہے' یہ منافق کی نماز ہے' یہ منافق کی نماز ہے کہ عصر کے وقت بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان پہنچتا ہے (یعنی غروب کا وقت آ جاتا ہے) تو اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے جن میں اللہ کو کم ہی یاد کرتا ہے۔'' (متفق علیہ)

ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک شخص نے نہایت عجلت میں نماز پڑھی۔ پھر آپؐ کے پاس آ کر سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: ((اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) ''جاؤ جا کر اپنی نماز پھر پڑھو' کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی''۔ اس نے دوبارہ اسی طرح نماز ادا کی۔ آپؐ نے پھر وہی ارشاد فرمایا۔ جب تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا تو اس نے عرض کی: ''اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ

سکتا۔ آپؐ مجھے سکھلا دیجیے۔ پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلَاۃِ فَکَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَعْدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ ذٰلِکَ فِیْ صَلَاتِکَ کُلِّھَا)) (متفق علیہ)

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر تحریمہ کہو، پھر قرآن کا جو حصہ تمہیں یاد ہے اس میں سے جو آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ پھر رکوع میں جاؤ یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر اٹھ جاؤ یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اور اپنی پوری نماز اسی طرح ادا کرو۔''

نماز میں نظر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنا حضورِ قلب کے منافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک بندہ نماز میں دوسری طرف ملتفت نہیں ہوتا اللہ اس کی طرف ملتفت رہتا ہے اور جب وہ اللہ کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے تو اللہ بھی اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔'' (مسند احمد) —— ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے''۔ صحابہؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! نماز کی چوری کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''رکوع اور سجدہ اچھی طرح نہ کرنا اور خشوع نہ ہونا۔'' (مسند احمد و دارمی) ——

اسی طرح نماز میں سکون اور اطمینان پیدا کرنے کی ہدایات دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز ہو رہی ہو (اور تم باہر سے آؤ) تو دوڑ کر مت آؤ بلکہ اس طرح آؤ کہ تم پر سکون اور وقار طاری ہو'' (صحیح مسلم)۔

اسی طرح نماز پڑھتے وقت ایسے کپڑے پہننا یا سامنے ایسا پردہ لٹکانا جن کے نقش و نگار میں دل محو ہو جائے اور توجہ ہٹ جائے مکروہ ہے۔ نماز کے اوقات کی تعیین میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ وہ ایسے ہوں جن میں نسبتاً سکون میسّر ہو۔ اسی لیے نماز اور باقی عبادات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے ''احسان'' کی کیفیت پیدا کرنے کا حکم دیا۔ حدیث جبرائیل میں رسول اللہ ﷺ نے احسان کے بارے میں فرمایا: **((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ، فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ))** ''(احسان یہ ہے کہ) تو اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرے گویا تو اسے دیکھ رہا

ہے اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو (کم از کم یہ خیال رہے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ (اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ رہے)۔'' (متفق علیہ)

نبی اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ پر نماز میں رقت طاری ہو جاتی تھی اور چشم مبارک سے آنسو نکلنے لگتے تھے۔ ایک صحابی حضور ﷺ کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نماز میں ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چکی چل رہی ہے یا ہنڈیا ابل رہی ہے۔ (سنن الترمذی، باب بکاء فی الصلاۃ)۔ اسی طرح حضور ﷺ پر رات کی نمازوں میں ذوق و شوق کا عجیب عالم طاری ہوتا تھا۔ قرآن حکیم کی تلاوت کیے جاتے، دورانِ تلاوت جب اللہ بزرگ و برتر کی کبریائی اور عظمت کا ذکر آتا تو پناہ مانگتے، اور جب رحم و کرم کی آیات آتیں تو دعا کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز دو دو رکعت کر کے ہے اور ہر دوسری رکعت میں تشہد ہے اور تضرع و زاری ہے، خشوع و خضوع ہے، عاجزی و مسکنت ہے اور ہاتھ اٹھا کر اے رب اے رب کہنا ہے۔ جس نے ایسا نہ کیا تو اس کی نماز ناقص رہی۔'' (سنن ابی داؤد، باب صلاۃ النہار) —— پھر نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کے لیے مسجد میں زور زور سے قراءت کرنے سے مجتنب رہنے کی تلقین فرمائی گئی تاکہ دوسروں کی عبادت میں خلل رونما نہ ہونے پائے۔ حضور ﷺ نے ایک صحابی کے سوال کے جواب میں فرمایا: ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو تمہاری نماز کی کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ ایسا محسوس ہو کہ تم اسی وقت مر رہے ہو اور دنیا کو چھوڑ رہے ہو''۔ (مسند احمد، بحوالہ سیرت النبی)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں، یعنی وہ اوقاتِ نماز، آدابِ نماز، ارکان و اجزائے نماز الغرض نماز سے تعلق رکھنے والے ظاہری و باطنی آداب اور احکام کی پوری نگہداشت کرتے ہیں، جسم اور لباس کی طہارت پر پوری پوری نگاہ رکھتے ہیں۔ وہ نماز میں رٹی ہوئی عبارت دہرانے کے بجائے اس کے معنی و مفہوم کو ہر لحظہ سامنے رکھتے ہیں اور اپنے من میں ڈوب کر قلب کے استحضار کے ساتھ مناجات کرتے ہیں۔ ان پر خشوع و خضوع اور تبتل کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر صرف اللہ کی محبت میں کھو جاتے ہیں۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی مکمل آداب کی رعایت رکھتے ہوئے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین! ❁❁❁

دُنیوی اور اُخروی زندگی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

ہر شخص جو اس دنیا میں آتا ہے اسے ماہ و سال کی صورت میں زندگی ملتی ہے جو ایک دن ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا کی یہ زندگی عارضی اور ناپائیدار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ اس مہلت کے ختم ہونے کا نام ہے جو انسان کو اچھے یا بُرے اعمال کرنے کے لیے دی جاتی ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کی یہ دنیوی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اسی لمحے دوسری اور حقیقی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اس دوسری زندگی کا کوئی اخیر نہیں اور یہ ابد تک رہے گی۔ انسان کی مہلت عمر سراسر امتحان ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲)

''(اللہ تعالیٰ نے) موت و حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

اور بقول شاعر ؎

موت اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر!

جس شخص نے دُنیوی زندگی کے ماہ و سال اللہ کی مرضی کے مطابق یعنی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ بسر کیے وہ کامیاب قرار پائے گا اور اس دنیا سے رخصت ہو کر جانے کے بعد دوسری زندگی اُس کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہوگی اور اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا —— اور جنت وہ مقام ہے جس کی نعمتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہ نعمتیں سدا بہار ہوں گی۔ کسی غم اور پریشانی کا وہاں گزر تک نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ جنت میں جانے والے کمزور، مریض اور بوڑھے وہاں کسی طرح کی کمزوری، بیماری اور بڑھاپا نہ پائیں گے۔ وہاں یہ سب لوگ عنفوانِ شباب کی حالت میں ہوں گے، جہاں انہیں ان کی ہم عمر بیویاں ملیں گی جن کا حسن

بے مثال اور جوانی بھرپور ہوگی، ان پر کبھی بڑھاپا طاری نہ ہوگا۔ بہشت میں جگہ پانے والوں کو ہر طرح کا آرام اور چین میسّر ہوگا۔ کلفت، تھکاوٹ اور کمزوری نام کی کوئی چیز وہاں نہ ہوگی۔ گویا جنّت اس جگہ کا نام ہے جہاں جنتی کی کوئی خواہش ایسی نہ ہوگی جو پوری نہ ہو۔ جنت کا ماحول ایسا سازگار اور خوشگوار ہوگا کہ مدتِ مدید تک وہاں رہنے سے کسی طرح کی اُکتاہٹ نہ ہوگی، بلکہ خوشی اور مسرّت بیش از بیش ہوگی۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے زندگی کی اس مہلت کو من مرضی کے مطابق گزارا اور ایسے اعمال کیے جن سے خالق نے روکا تھا، انہوں نے حلال اور حرام میں تمیز نہ کی، جائز اور ناجائز کی پروا نہ کی، کمزوروں کو ستایا، ظلم و ستم اور قتل و غارت کا بازار گرم کیے رکھا، شرفِ انسانیت کا پاس نہ جانتے ہوئے خونخوار درندوں اور جانوروں کا روپ دھارے رکھا، دنیا کے عیش کی خاطر ہر گناہ کا ارتکاب کیا، گویا زندگی ربّ کی نافرمانی میں بسر کی تو ایسے لوگ مہلت عمر کو ضائع کر بیٹھے۔ انہوں نے اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے حقوق ادا نہ کیے بلکہ ربّ کی مخلوق کو ستاتے رہے اور اسی حال میں موت کے منہ میں چلے گئے۔ یہ لوگ ایسے ہیں جو زندگی کے امتحان میں ناکام رہے۔ اگلی زندگی میں ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے زندگی کے شب و روز آزادانہ کیوں گزارے؟ تم نے وہ کام کیوں نہ کیے جن کا حکم خالق نے دیا تھا، اور وہ کام کیوں کیے جن سے روکا گیا تھا؟ تو وہ تمنا کریں گے کہ انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو وہ اچھے کام کریں گے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدۃ)

''اور اگر آپ مجرموں کو دیکھیں جس وقت وہ اپنے پروردگار کے سامنے سر ڈالے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے اے ہمارے ربّ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا پس ہم کو پھر واپس (دنیا میں) بھیج دے تو ہم بھلے کام کریں گے، اب تو ہمیں یقین آ گیا ہے۔''

اُس وقت پچھتانے کا کیا فائدہ جب مہلتِ عمل ہی ختم ہوگئی؟ اب تو حسرت اور پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا، اس لیے کہ اب دوبارہ دنیا میں بھیجا جانا ہرگز نہ ہوگا۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾

''اور اگر ان کو دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو وہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا

ہے‘ اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔‘‘

اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کی زندگی میں کہتے رہے کہ ہمارے لیے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی جو کچھ ہم یہاں کر رہے ہیں اس کے بارے میں ہم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور نہ ہی بداعمالیوں پر ہماری گرفت کی جائے گی۔

حقیقی‘ پائیدار اور مستقل آخرت کی زندگی کی تیاری کے سلسلہ میں سب سے اول عقیدۂ توحید ہے جس کی وضاحت سورۃ الاخلاص اور آیۃ الکرسی میں کی گئی ہے۔ دوم تمام گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ہے کہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے اور برحق پیغمبر تھے اور سب کے سب پیغمبرانہ صفات کے ساتھ متّصف تھے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ پیغمبروں کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھے اور آپؐ کے بعد کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوگا۔ آپؐ خاتم النبیین تھے اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے آخری آسمانی کتاب قرآن مجید نازل فرمایا جس میں زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ بتایا گیا ہے۔ پھر رسول پاک ﷺ نے قرآنی تعلیمات کی توضیح اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق فرمائی اور خود قرآنی تعلیمات پر پورے طور پر عمل کر کے دکھایا‘ یہاں تک کہ خالق کائنات نے آپ ﷺ کی زندگی کو تمام بنی نوعِ انسان کے لیے اُسوۂ حسنہ (عمدہ نمونہ) قرار دیا۔ لہٰذا اب وہی شخص کامیاب ہے جو آپؐ کے طریقے پر چلے۔ آپؐ کے ارشادات اور تعلیمات سنت اور حدیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔

ایمانیات کے ضمن میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل شدہ کتابوں‘ فرشتوں‘ قیامِ قیامت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ ان سب چیزوں پر صدقِ دل کے ساتھ ایمان لانے والا مؤمن کہلاتا ہے۔ ان عقائد پر ایمان لا کر ان کی روشنی میں عمل کرنا ضروری ہے۔ ایمانیات کے ان تمام شعبوں میں سے کسی ایک شعبے کا انکار کرنے والا دین اسلام سے خارج ہو کر کفر کی تاریک وادیوں میں چلا جاتا ہے۔ جس طرح کفر سے اسلام میں داخل ہونے والے کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر اہل اسلام میں سے کوئی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیتا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے کیے ہوئے اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اگر اسی کفر کی حالت میں مر گیا تو جہنم رسید ہوگا‘ جہاں حد درجہ اذیت کی لمبی زندگی ہوگی۔ ایسے لوگوں کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوگا‘ نہ ان کی کوئی مدد کر سکے گا اور نہ اُن کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جہاں مؤمن پر لازم ہے کہ وہ ایمانیات کے تمام شعبوں کو دل سے مانے وہاں اس پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن و سنت میں بتائی گئی ہیں ان پر اپنی استطاعت کے مطابق زندگی بسر کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو رول ماڈل جانے۔ تاہم کوئی انسان ایسا نہیں جس سے کبھی گناہ اور قصور سرزد نہ ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اگر لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہیں گے تو ان کے چھوٹے چھوٹے گناہ ازخود معاف کر دیے جائیں گے۔ اور اگر اہلِ ایمان میں سے کوئی حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف کرتے ہوئے معصیت میں زندگی گزارتا ہے اور معروف کی خلاف ورزی اور منکرات کو اختیار کرتا ہے تو اس کے نیک و بداعمال تولے جائیں گے‘ اگر معاصی کا پلڑا بھاری ہوا تو جہنم میں ڈالا جائے گا اور اپنے گناہوں کی سزا پا کر بالآخر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ برائیوں کی سزا پا کر بالآخر (یہودیوں کے کہنے کی طرح) جنت میں داخلے پر مطمئن ہو جائے اور جرائم کا ارتکاب کرنے میں جری ہو جائے‘ کیونکہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستّر گنا زیادہ تیز ہے‘ جس میں ایک لمحے کے لیے گرنا بھی قابلِ برداشت نہ ہوگا۔ اور پھر جہنم تو نام ہی اللہ کے غضب کا ہے جس سے ہر وقت پناہ مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا والے کام کرنے کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ اس حال میں ہو کہ ہم پکّے سچّے مؤمن ہوں۔ آمین یاربّ العالمین!

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

سُود: انفاق فی سبیل اللہ کی ضد

ربطِ آیات کے تناظر میں

حافظ محمد مشتاق ربّانی

نظمِ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک اہم اعجاز ہے‘ جس میں علوم و معارف اور حکمتوں کا ایک خزانہ چھپا ہوتا ہے۔ نظمِ قرآن کو بیان کرنے والے کئی مفسّرین کرام گزرے ہیں‘ جن میں امام رازی (ت۶۰۲ھ) ‘ علامہ مخدوم مہائمی (ت۸۳۵ھ) ‘ شیخ برہان الدین بقاعی (ت۸۴۴ھ)‘ امام سیوطی (ت۹۱۱ھ)‘ علامہ ولی الدین اور مولانا حمید الدین فراہی ؒ (ت۱۹۳۰م) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نظمِ قرآن کا ایک پہلو ربطِ آیات ہے کہ آیات باہم مختلف اعتبارات سے جڑی ہوئی ہیں‘ جس کی ایک واضح مثال انفاق فی سبیل اللہ اور ربا سے متعلق آیات ہیں۔ انفاق اور ربا کے موضوعات میں جو باہم تعلق ہے‘ وہ نہایت واضح ہے۔ انفاق میں ایک مسلمان اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر‘ مال کی محبت کو دل سے کھرچتے ہوئے اور اللہ سے محبت پیدا کرنے کے لیے ضرورت مندوں اور محتاجوں کو دیتا ہے‘ جبکہ ربا میں وہ ضرورت مندوں کی معاشی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۶‘ ۳۷ میں انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت‘ آداب اور اہمیت کا نہایت تفصیلی ذکر ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے ذکر کے فوراً بعد آیات ۲۷۵ تا ۲۷۹ میں ربا کا ذکر ہے۔ گویا دونوں موضوعات باہم مربوط ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ کہا جاتا ہے: تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا ’’چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں‘‘۔ انفاق کے ذیل میں فرمایا: ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ﴾ یعنی اپنے کمائے ہوئے پاکیزہ مال میں سے خرچ کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے بارے میں فرمایا: ﴿یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ﴾ کہ وہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ گویا مال کو یہاں ایک لحاظ سے ان کی ملکیت ظاہر کیا جا رہا ہے (جس میں بدیہی طور پر امانت کا تصور ہے) جبکہ سود کے ذیل میں فرمایا:

﴿فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ﴾ ’’پس تمہارے لیے وہی ہے جو تمہارا اصل مال ہے‘‘۔ یعنی اصل مقدار کے جو اوپر رقم ہے وہ تمہاری نہیں ہے بلکہ وہ ظلم ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر (تدبّرِ قرآن) میں اپنے استاذ مولانا فراہی اور ان کی کتاب ’’دلائل النظام‘‘ سے متاثر ہو کر نظمِ قرآن اور اس کی ترتیب پر خاص کام کیا ہے۔ تدبر قرآن کا نمایاں پہلو آیات کے مابین موافقت و مناسبت کو واضح کرنا ہے۔ وہ تدبر قرآن کی جلد اوّل میں سورۃ البقرہ میں وارد انفاق اور سود سے متعلق آیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’سود کے متعلق یہ امر محتاجِ بیان نہیں ہے کہ یہ انفاق کی بالکل ضد ہے۔ انفاق کی محرک بلند ہمتی‘ ہمدردی‘ فیاضی‘ ایثار‘ رحم دلی ہے اور سود کی محرک بزدلی‘ خود غرضی‘ سنگ دلی اور دوسروں کی مشکلات سے فائدہ اُٹھانے کی خواہش ہے۔ انفاق ضرورت مندوں کو سہارا دینا چاہتا ہے اور سود گرے ہوؤں کا خون چوسنا چاہتا ہے۔ دونوں میں نسبت ضدّین کی ہے اور فطرت کا اُصول یہ ہے کہ کسی شے کی حقیقت اس وقت تک اچھی طرح واضح نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ اس کے ضد کا بیان نہ ہو..... اسی اُصول پر قرآن نے انفاق کے ساتھ اکثر یا تو بخل کا ذکر کیا ہے یا سود خواری کا۔ یہاں اس (سود) کا ذکر انفاق کے بعد آیا ہے۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۲۷ میں انفاق کے بیان سے پہلے ہے۔ لیکن مقصود دونوں جگہ ایک ہی ہے کہ ایک کی تاریکی دوسرے کی روشنی کو اور ایک کا جمال دوسرے کی بدصورتی کو بے نقاب کر سکے۔ اس نظمِ کلام سے حکمت کے بعض ایسے گوشے آشکارا ہو جاتے ہیں جو کسی اور طریقے سے آشکارا نہیں ہو سکتے۔‘‘

مذکورہ اقتباس میں آپ نے دیکھا کہ مولانا اصلاحی انفاق اور سود میں بڑے واضح انداز میں تقابل پیش کر رہے ہیں اور تقابل کا یہ تصور آیاتِ قرآنیہ سے ماخوذ ہے‘ کیونکہ قرآن حکیم نے دونوں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا ہے۔ مولانا صاحب کی یہ بات بھی بجا ہے کہ انفاق کا مقابل بخل بھی بیان ہوا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو بخل مال کی ہوس کا نتیجہ ہے اور سود خور میں مال کی ہوس بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بیع بھی ربا کا ضد ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ’’اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے جبکہ سود کو حرام کیا ہے‘‘۔ مذکورہ بالا اقتباس میں اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ سورۃ البقرہ میں پہلے انفاق کا اور بعد میں ربا کا ذکر ہے‘ جبکہ سورۃ آل عمران میں پہلے ربا کا اور بعد میں انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔ سورۂ آل عمران کا مقام ملاحظہ فرمائیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران)

''اے ایمان والو! دوگنا چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

اس آیت کے بعد والی آیات میں اہل ایمان کو جہنم کی آگ سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول اُس کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ پھر اہلِ ایمان کو اللہ کی مغفرت اور جنت کی طرف تیزی سے لپکنے اور دوڑنے کی ہدایت کی گئی ہے جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد متقین کا وصف بیان ہوا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ.....﴾

''جو (اپنے مال) آسودگی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں.....''

یعنی وہ صرف خوشحالی میں مال خرچ نہیں کرتے بلکہ اس حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں جب ان کے پاس وسائل نہایت کم ہوتے ہیں۔ گویا اہلِ ایمان کے ہر کام میں دوام پایا جاتا ہے۔ سورۂ آل عمران کے اس مقام میں آپ نے نوٹ کیا کہ پہلے ربا سے روکا گیا اور پھر اہلِ ایمان کا نمایاں وصف بیان ہوا کہ وہ خوشی اور تکلیف ہر حال میں خرچ کرتے ہیں۔

سورۃ الروم میں ربا کو زکوٰۃ کے مقابلے میں لایا گیا ہے اور مساکین اور مسافروں کی مدد کرنا ان کا حق بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا۟ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ (الروم)

''پس (اپنے مؤمن) رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور مسکین و مسافر کو (اس کا حق)' یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں' اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو تم سود دیتے ہو کہ (تمھارا اثاثہ) لوگوں کے مالوں میں مل کر بڑھتا رہے تو اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھے گا' اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی رضامندی کی طلب میں دیتے ہو (وہی موجبِ برکت ہے) اور ایسے ہی لوگ (حقیقتاً اپنے مال کو) بڑھا لینے والے ہیں۔''

اس مقام پر اوّل و آخر ایتاءِ مالِ زکوٰۃ کا ذکر ہوا اور درمیان میں ربا کا بیان ہے۔ زکوٰۃ یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ صدقات و انفاق کے مفہوم میں ہے۔ قرآن مجید کے کئی الفاظ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہو جاتے ہیں' جیسے سورۃ التوبہ کی وہ آیت جو مصارفِ زکوٰۃ کے حوالے سے ہے' اس کے آغاز میں ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ'' آیا ہے۔ الصَّدَقَات وہاں زکوٰۃ کے مفہوم میں ہے۔ اسی طرح یہاں سورۃ الروم میں ''وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ'' میں زکوٰۃ' صدقات کے مفہوم میں ہے' جس میں زکوٰۃ بھی شامل ہے۔

انفاق و ربا کے جو تین مقامات پیش کیے گئے ہیں' ان میں دونوں (انفاق و ربا) کے مابین تقابل پیش کیا گیا ہے۔ انفاق و ربا دو نظاموں کے لیے علامت (symbol) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں کا قرآن مجید کی روشنی میں موازنہ ملاحظہ کریں کہ ایک اسلامی نظامِ معیشت ہے جس میں زکوٰۃ و صدقات کو اہمیت حاصل ہے' بلکہ اس نظام کی نمایاں ترین خصوصیت ہی کسب اور انفاق فی سبیل اللہ ہے' جبکہ نظامِ ربوی (سودی) بالکل اس کے متصادم ہے' اور سرمایہ داری (Capitalism) کی پہچان ہے۔ ایک معاشرے میں تعمیر و ترقی کا ضامن ہے اور دوسرا معاشرے کی تباہی و بدحالی کا باعث ہے۔ ایک معاشرے میں امیر و غریب کے فرق کو کم کرنے کے لیے ہے اور دوسرا تفریق بڑھانے کے لیے ہے۔ ایک اجر و ثواب کا باعث ہے تو دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔ ایک میں انبساط اور اطمینان ہے تو دوسرے میں خوف و حزن اور ملال ہے۔ ایک دل کی تثبیت (مضبوطی) کا باعث ہے اور دوسرا انسان کو اندر سے کھوکھلا کرنے کا باعث ہے۔ ایک اللہ کی رضا و خوشنودی کا ذریعہ ہے تو دوسرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔ ایک میں اللہ کی مغفرت اور اس کا فضل ہے تو دوسرا غضبِ الٰہی کا موجب ہے۔ ایک سیئات دور کرنے کا ذریعہ ہے اور دوسرا سیئات کا سبب ہے۔ ایک نشاط کا ذریعہ ہے اور دوسرا مخبوط الحواس بنانے والا ہے۔ ایک مال کی بڑھوتری کا سبب ہے اور دوسرا مال کو گھٹانے کا سبب ہے۔ ایک میں حسنہ ہے اور دوسرے میں اثم ہے۔ ایک حقیقی ایمان کی زیادتی کا باعث ہے اور دوسرا ایمان سے محروم ہونے کا سبب ہے۔

اب ہمارا انتخاب (choice) ہے کہ ربا کو اختیار کریں یا انفاق فی سبیل اللہ کو!

ع فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم!!

❁❁❁

دجّال کے تعاقب میں

حماد یوسف ☆

''بحث ونظر'' کے عنوان کے تحت شائع ہونے والے مضامین کے مندرجات سے ادارۂ میثاق کا اتفاق ضروری نہیں۔ ایسے مضامین کی اشاعت کا مقصد اہلِ علم کو ان موضوعات پر غور وفکر کی دعوت دینا ہے۔ اگر کوئی اور صاحبِ علم بھی اس موضوع پر مدلل انداز میں قلم اٹھائیں تو ان کے لیے میثاق کے صفحات حاضر ہیں۔ (مدیر)

ابتدائیہ

دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔ جنگ وجدل کا بازار گرم ہے۔ قیامت کی کئی نشانیاں وقوع میں آ چکی ہیں۔ ان حالات میں بہت ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر دجال کی فائل کھولی جائے اور کچھ اہم امور کا جائزہ لیا جائے جو اس سے قبل دیگر مسلمان محققین کی نظر میں نہیں آ سکے۔ میری یہ تحقیق کئی سال کے تجزیات اور غور وفکر کا نتیجہ ہے۔ شاید یہ دجال پر ہونے والی آخری جامع اور فیصلہ کن تحقیق ہو۔

حصہ اوّل: خروجِ دجال سے قبل علاماتِ قیامت

ذکرِ دجال سے قبل ضروری ہے کہ علاماتِ قیامت میں سے ان بڑی علامات کی جانچ پڑتال کر لی جائے جو اب تک وقوع میں آ چکی ہیں تاکہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ دجال کا زمانہ کتنا نزدیک آ پہنچا ہے؟ ان علامات میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت، شقّ القمر کا واقعہ، خلافت راشدہ کا قیام، جنگِ صفین اور ملوکیت کا دور وغیرہ وہ علامات قیامت ہیں جو آج تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ ان کے علاوہ چند اہم واقعات ہیں جو ظہور میں آ چکے ہیں۔

☆ چیئرمین، میثا ایکزکٹنس آرگنائزیشن

فتنۂ تاتار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ ، حُمْرَ الْوُجُوْهِ ، ذُلْفَ الْاَنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ)) (۱)

''قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم ترکوں (منگولوں) سے جنگ نہ کر لو جن کی آنکھیں چھوٹی، چہرے سرخ اور ناکیں چھوٹی چھوٹی اور چپٹی ہوں گی۔ ان کے چہرے یوں دکھائی دیں گے جیسے ہتھوڑے سے کوٹے گئے ہوں۔''

یہ تاتاری تھے جو ۶۵۵ ہجری میں ترکستان (منگولیا) سے قہرِ الٰہی بن کر عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے تھے۔ تاتاریوں کے ہاتھوں ۶۵۶ ہجری میں سقوطِ بغداد کا عبرتناک حادثہ پیش آیا۔

حجاز میں ایک بہت بڑی آگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيءُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى)) (۲)

''قیامت اُس وقت تک نہ آئے گی یہاں تک کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جو بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے گی۔''

اس حدیث کی تشریح میں صحیح مسلم کے شارح علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: بصریٰ، مدینہ اور دمشق کے درمیان کا مشہور شہر ہے جو دِمشق سے اڑتالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ عظیم آگ فتنۂ تاتار سے تقریباً ایک برس قبل بھڑکی تھی۔ یہ آگ جمادی الاخریٰ ۶۵۴ ہجری کو نکلی اور میلوں تک پھیل گئی۔ جو پہاڑ اس کی زد میں آئے ان کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا اور ۲۷ رجب (۵۲ دنوں بعد) تک بھڑکتی رہی اور تین ماہ میں ٹھنڈی ہوئی۔ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق آگ بصریٰ جیسے دور دراز مقام پر دیکھی گئی۔ اس آگ کی خبر تواتر کے ساتھ پورے عالم اسلام میں پھیل گئی تھی۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کے نواحی پہاڑوں میں زلزلہ کے ساتھ کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا تھا جس کی آگ سینکڑوں میل سے نظر آئی تھی۔

چھ بڑی علاماتِ قیامت کی پیشین گوئی

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ تبوک میں، میں آپ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ چمڑے کے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ: مَوْتِيْ ، ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، ثُمَّ مُوْتَانٌ يَأْخُذُ فِيْكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ، ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا، ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقٰى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ، ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْاَصْفَرِ فَيَغْدِرُوْنَ فَيَاْتُوْنَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا)) (۳)

''قیامت سے قبل چھ چیزوں کو گن لو: میرا فوت ہونا' بیت المقدس کا فتح ہونا' پھر تم میں ایک وبا پھیلے گی جیسے بکریوں کی بیماری ہوتی ہے' پھر مال کی فراوانی ہوگی' یہاں تک کہ ایک شخص کو سو دینار دیے جائیں گے تب بھی وہ ناراض رہے گا۔ پھر ایک فتنہ ظاہر ہوگا جو عرب کے ہر گھر میں داخل ہوگا' پھر تمہارے اور رومیوں کے درمیان ایک صلح ہوگی اور وہ عہد شکنی کریں گے اور اسّی (۸۰) جھنڈوں (یعنی ملکوں) کا لشکر لے کر تم پر چڑھائی کریں گے' ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار آدمی ہوں گے۔''

مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں ہم غور کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رحلت فرما چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المقدس فتح ہو چکا ہے۔ عام بیماری غالباً ایڈز ہے۔ عرب خلیجی ممالک میں تیل کی دولت کی وجہ سے مال بہت زیادہ ہے۔ امریکہ نے سعودی عرب کے اوپر ایک ٹی وی سیٹلائٹ خصوصی طور پر چھوڑا ہوا ہے جس پر جنسی بے راہ روی اور اخلاقیات سے گری فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ یہ وہ فتنہ ہے جو عرب کے ہر گھر میں داخل ہو رہا ہے۔ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان صلح افغان سوویت جنگ پر ہوئی تھی اور عہد شکنی مجاہدین کے خلاف جنگ پر ہوئی ہے۔ اس حدیث کے اختتام پر جس جنگ کا ذکر ہے' اب دنیا میں قیامت آنے سے قبل یہ بڑی جنگ ہونا باقی رہ گیا ہے۔ یہ بہت بڑی جنگ ہوگی جو بنیادی طور پر یہودیوں کے خلاف لڑی جائے گی اور بظاہر اسّی (۸۰) ممالک کی اتحادی فوج مسلمانوں پر حملہ آور ہوگی۔ اس آنے والی جنگ کو آج کل یہودی ''آرمیگاڈان'' کا نام دیتے ہیں جو ان کے نزدیک ایک مقدس جنگ ہوگی۔ جبکہ احادیث کی روشنی میں یہ مسلمانوں کے لیے مقدس جنگ ہوگی۔ اس جنگ کے اختتام پر دجال نامی ایک ظالم حکمران منظر عام پر آئے گا۔ چونکہ مسلمان یہ جنگ جیت چکے ہوں گے اس لیے دجال بہت غصے میں ہوگا۔ اس جنگ کا زمانہ بہت نزدیک معلوم ہوتا ہے۔

مغرب کی اندھی تقلید

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی کون سی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَمَّا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ)) (۴)

''قیامت کی گھڑی کی پہلی نشانی ایک ایسی آگ ہوگی جو لوگوں کو ہانک کر مشرق سے مغرب کی جانب لے جائے گی۔''

مندرجہ بالا حدیث میں آگ سے مراد روپے پیسے کی لالچ' ہوس اور اندھی تقلید ہو سکتی ہے جو لوگوں کو مشرقی ممالک سے گھسیٹ کر مغرب کی طرف لے جا رہی ہے۔ آج ہر شخص کی خواہش ہے کہ وہ کسی طریقے سے یورپ و امریکہ پہنچ جائے یا ان کے نظریات و افکار اپنا لے۔ (ویلنٹائن ڈے وغیرہ)

گانا بجانا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَرْبَعُ فِتَنٍ فِيْ آخِرِهَا الْفَنَاءُ)) (۵)

''اس امت میں چار فتنے ہوں گے اور ان میں سب سے آخری گانا بجانا ہوگا۔''

آج کل تو جس نوجوان کا دل چاہتا ہے اپنے گانوں کا آڈیو کیسٹ نکال لیتا ہے اور جس فحاشہ کا جی چاہتا ہے' اپنے ہنر کی ویڈیو ریلیز کر دیتی ہے۔

مکّہ مکرمہ میں بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سَيَخْرُجُ اَهْلُ مَكَّةَ ثُمَّ لَا يَعْمُرُ بِهَا اَوْ لَا يَعْرِفُهَا اِلَّا قَلِيْلٌ، ثُمَّ تَمْتَلِئُ وَ تُبْنٰى ثُمَّ يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا فَلَا يَعُوْدُوْنَ فِيْهَا اَبَدًا)) (۶)

''اہل مکہ' مکہ سے نکل جائیں گے' پھر مکہ کے لیے کوئی آنسو نہیں بہائے گا یا اسے کوئی نہیں پہچانے گا سوائے کم لوگوں کے۔ کچھ عرصہ بعد مکہ پھر آباد ہو جائے گا اور اس میں بڑی بڑی عمارتیں بنائی جائیں گی۔ پھر کچھ عرصہ بعد لوگ مکہ سے نکل جائیں گے یہاں تک کہ پھر کبھی نہیں لوٹیں گے۔''

مکہ مکرمہ میں پہاڑوں کے نیچے سرنگوں کا جو جال بچھایا گیا ہے اسے دیکھ کر اور مکہ میں بلند وبالا عمارات کی تعمیر سے حقیقت واضح ہو جانی چاہیے۔ پہلی مرتبہ اہلِ مکہ کے نکلنے سے مراد غالباً مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ ہجرت ہے۔ اہلِ مکہ صرف اہلِ ایمان کو کہا گیا ہے۔ فتح مکہ پر یہ لوگ واپس آ گئے اور مکہ آباد ہو گیا اور آج تک ان لوگوں سے آباد ہے' یہاں تک کہ مکہ میں اونچی اونچی عمارتیں بن گئی ہیں۔ یہ اہل مکہ یعنی خالص ایمان والے مسلمان اپنا ایمان بچانے کے لیے قیامت آنے سے کچھ عرصہ قبل دوبارہ مکہ سے نکل کر مدینے چلے جائیں گے اور یہ کہ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یہ لوگ پھر کبھی مکہ نہیں جا سکیں گے۔ (واللہ اعلم)

حصہ دوم: ذکرِ دجال

دجال کی حقیقت

دجال کون ہے؟ دجال کے بارے میں مسلمانوں میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک گروہ احادیث کی راہنمائی میں اس رائے پر جازم ہے کہ دجال فی الواقع ایک آدمی ہی ہوگا' جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ دجال کسی عالمگیر نظام کو ظاہر کرتا ہے۔ آخر دجال کون ہے؟ یہ جاننے کے لیے احادیث کا باریک بینی اور منطقی دلائل سے تجزیہ کرنا ہوگا۔

اسلام میں دجال کا ذکر احادیث میں ملتا ہے' جبکہ قرآن مجید میں دجال کا کوئی واضح ذکر موجود نہیں ہے۔ عیسائیوں میں Anti Christ کا تصور پایا جاتا ہے' یہ تصور قریب قریب ویسا ہی ہے جیسا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ جبکہ یہودی بھی اپنے کسی عظیم بادشاہ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں دنیا میں عظمت دلائے گا۔ یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دجال نامی آدمی کا تصور صرف اسلام تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا کے تین بڑے الہامی ادیان میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ کوئی آنے والا ہے۔ تین بڑے الہامی ادیان میں ایک جیسی بات کا تصور پایا جانا کہ کوئی آنے والا ہے' معمولی بات نہیں ہے' یہ بہت بڑی بات ہے۔ ویسے بھی احادیث میں آیا ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنی اُمت کو دجال کے فتنہ سے ڈرایا ہے۔

دجال کی حقیقت جاننے کے لیے چند احادیث کو باریک بینی کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے' تب ہی یہ معاملہ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

((.....اِنِّیْ لَاُنْذِرُکُمُوْہُ ، وَمَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا اَنْذَرَہٗ قَوْمَہٗ لَقَدْ اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَہٗ ،

وَلٰکِنِّیْ اَقُوْلُ لَکُمْ فِیْہِ قَوْلًا لَمْ یَقُلْہُ نَبِیٌّ لِقَوْمِہٖ ، تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِاَعْوَرَ)) (۷)

''.....میں بھی تم کو دجال سے خبردار کرتا ہوں اور ہر پیغمبر نے بھی اپنی اُمت کو اس سے خبردار کیا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے خبردار کیا ہے۔ مگر میں اس کی ایک نشانی تم کو بتائے دیتا ہوں جو کسی پیغمبر نے اپنی اُمت کو نہیں بتائی۔ جان لو کہ وہ کانا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) دجال کا تذکرہ ہر پیغمبر نے اپنی اُمت کے سامنے کیا ہے' جو ایک شخصی حوالہ ہے۔

(۲) دجال ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔

دوسری روایت میں آتا ہے۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((..... اِنْ یَخْرُجْ وَاَنَا فِیْکُمْ فَاَنَا حَجِیْجُہٗ دُوْنَکُمْ وَاِنْ یَخْرُجْ وَلَسْتُ فِیْکُمْ فَامْرُؤٌ حَجِیْجُ نَفْسِہٖ وَاللّٰہُ خَلِیْفَتِیْ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اِنَّہٗ شَابٌّ قَطَطٌ عَیْنُہٗ طَافِئَۃٌ کَاَنِّیْ اُشَبِّہُہٗ بِعَبْدِ الْعُزّٰی بْنِ قَطَنٍ ، فَمَنْ اَدْرَکَہٗ مِنْکُمْ فَلْیَقْرَاْ عَلَیْہِ فَوَاتِحَ سُوْرَۃِ الْکَہْفِ ، اِنَّہٗ خَارِجٌ خَلَّۃً بَیْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ)) (۸)

''اگر دجال میری موجودگی میں نکل آیا تو میں تمہاری طرف سے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود ہوں' اور اگر وہ اس وقت نکلا جبکہ میں تمہارے مابین موجود نہ ہوا تو ہر آدمی خود اپنا دفاع کرے گا' اور اللہ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے۔ دجال نوجوان ہوگا۔ اس کے بال گھنگھریالے ہوں گے' اس کی ایک آنکھ پھوٹی ہوئی ہے' گویا کہ میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن سے مشابہ پاتا ہوں۔ پس تم میں سے جو اس کو پالے اس کے مقابلے میں سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ وہ ملک شام اور عراق کے درمیان ایک شگاف (درہ) سے برآمد ہوگا۔''

مندرجہ بالا حدیث سے پانچ اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) دجال پیدا نہیں ہوگا' بلکہ کسی جگہ سے باہر نکلے گا۔

(۲) دجال نوجوانی کی حالت میں ہوگا۔

(۳) دجال کے بال گھنگھریالے ہوں گے۔

(۴) دجال کی ایک آنکھ پھوٹی ہوگی۔ (ہوسکتا ہے کہ آنکھ پتھر کی ہو یا کوئی جدید مشینی آنکھ ہو۔)
(۵) دجال شام اور عراق کے درمیان کسی علاقے سے ظاہر ہوگا۔ (دوسری روایت میں خراسان کا نام آیا ہے کہ وہاں سے ظاہر ہوگا۔)

مندرجہ بالا دو روایات میں دجال سے متعلق جو متن سامنے آیا ہے' دجال سے متعلق دیگر روایات میں کم و بیش یہی متن ملتا ہے۔ ان دو روایات سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ دجال کسی عالمگیر نظام کا نام ہے اور یہ کہ شخص دجال استعارہ ہے۔ اس کے برعکس یہ ثابت ہو رہا ہے کہ دجال کسی شخص کا نام ہے۔ جو مسلمان دجال کو شخصی استعارہ اور عالمگیر نظام سمجھتے ہیں' وہ غلطی پر ہیں۔ دجال سے متعلق احادیث واضح کر رہی ہیں کہ دجال کسی آدمی کا نام ہے۔

حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:

((رَاَیْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰہِ یَحْلِفُ بِا للّٰہِ اَنَّ ابْنَ الصَّائِدِ الدَّجَّالُ، قُلْتُ تَحْلِفُ بِاللّٰہِ؟ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ عُمَرَ یَحْلِفُ عَلٰی ذٰلِکَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ یُنْکِرْہُ النَّبِیُّ ﷺ)) (۹)

''میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ میں نے کہا: آپ اللہ کی قسم اٹھاتے ہیں؟ کہنے لگے: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس پر قسم اٹھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ اس کا انکار نہیں کرتے تھے۔''

مندرجہ بالا حدیث کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ مدنی دور میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ مدینے کی ایک یہودی عورت کے ہاں ایک آنکھ والے بچے کی ولادت ہوئی ہے جس کی دوسری آنکھ مٹی ہوئی ہے۔ یہ خبر سن کر حضور ﷺ چونک گئے اور واقعے کی تحقیق کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نکلے اور وہاں پہنچ کر دور سے بچے کا مشاہدہ کرنے لگے جو اپنے پنگھوڑے میں لیٹا' عجیب و غریب زبان بول رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ اسے ختم کر دیا جائے مگر رسول اللہ ﷺ نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ اگر یہ دجال نہیں ہے تو بلاوجہ کسی کی جان نہیں لینا چاہیے اور اگر یہ دجال ہی ہے تو نہیں مرے گا۔ بعد میں واپسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار اللہ کی قسم کھاتے تھے کہ یہی دجال ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات پر انکار نہیں فرماتے تھے۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات

دجال کے فتنے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنات کو پیدا کرنے کے بعد ایک اور مخلوق یعنی انسان کو پیدا کیا اور اس کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا۔ ابلیس جس کا تعلق جِنّات کی جماعت سے تھا' اس نے نہ صرف انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی کہا کہ وہ لوگوں کو اس کے راستے سے ضرور بھٹکائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ؕ﴾ (الکھف: ۵۰)

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہ کیا)۔ وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔''

﴿اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْھَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾﴾ (ص)

''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' وہ اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا (یعنی جسم ظاہری طاقت سے' روح غیبی طاقت سے) اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا تو اونچے درجے والوں میں تھا؟ (ابلیس) بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔ (اللہ نے) کہا: یہاں سے نکل جا تو مردود ہے۔''

﴿فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ

فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۛ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۚ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾﴾ (طٰہٰ)

''ہم نے فرمایا: اے آدم! یہ (ابلیس) تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے' پھر مبادا تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے۔ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ اے آدم! میں بھلا تم کو ایسا درخت بتاؤں جو ہمیشہ کی زندگی کا ثمرہ دے اور ایسی بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو؟ تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (جسموں) پر جنت کے پتے چپکانے لگے' اور آدم نے اپنے پروردگار (کے حکم) کے خلاف کیا تو بے راہ ہو گئے۔ پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ' تم میں بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ تکلیف پائے گا۔''

مندرجہ بالا آیات سے اسلام میں انسانی زندگی کا تصور واضح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو زمین پر بھیجنے کے بعد انسان کی اصلاح کے لیے مسلسل انبیاء بھیجتا رہا ہے۔ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں آتے رہے ہیں بالکل اسی طرح ابلیس کے ولی بھی دنیا میں مسلسل آتے رہے ہیں' جنہوں نے دنیا میں ابلیسی تعلیمات پھیلائی ہیں۔ دجال' ابلیسی اولاد میں سے آنے والے آخری ابلیسی پیغمبر کا نام ہے اور یہ ابلیسی اولاد کی جانب سے انسانیت کے اوپر آنے والا آخری بڑا فتنہ ہوگا جو نجانے کتنے ہی انسانوں کو دوزخ کے منہ میں دھکیل دے گا۔ چنانچہ جب ہم اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھ کر دجال کا تجزیہ کریں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دجال کون ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنِّيْ قَدْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَا تَعْقِلُوْا اِنَّ مَسِيْحَ

الدَّجَّالِ رَجُلٌ قَصِيْرٌ، اَفْحَجُ جَعْدٌ، اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْعَيْنِ لَيْسَ بِنَاتِئَةٍ وَلَا حَجْرَاءَ، فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ)) (۱۰)

''میں نے تمہیں دجال سے متعلق خبر دے دی ہے' مجھے ڈر ہے کہ تم اسے نہ پہچان سکو گے۔ (یاد رکھو) مسیح دجال ٹھگنے قد کا' مڑے ہوئے بالوں والا اور کانا ہے' اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہے' نہ اُبھری ہوئی اور نہ اندر کو دھنسی ہوئی ہے۔ اگر پھر بھی تم کو شک پڑ جائے تو یاد رکھو کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔''

احادیث کی مختلف کتابوں میں دجال کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں' ان کے تجزیے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید دجالی دور شروع ہو چکا ہے۔ وہ انتہائی ظالم اور بدکردار حکمران ہوگا۔ ہر جگہ حق و سچ کی مخالفت کرے گا۔ اس کے پاس معجزانہ طاقتیں ہوں گی اور اپنے اقتدار کا بدترین استعمال کرے گا۔ اس کے پاس مشرق سے مغرب تک سفر کے لیے ایسی سواری ہوگی کہ وہ ایک دن یا اس سے بھی کم وقت میں یہ سفر طے کرے گا۔ جو لوگ اس کی فرمانبرداری کریں گے اُن کے لیے زندگی جنت بنا دے گا اور جو نافرمانی کریں گے اُن کی زندگی جہنم بنا دے گا۔ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہوگا۔ وہ ہر جگہ سچے مؤمنوں کو قتل کرے گا اور اپنے خدا ہونے کے ثبوت میں مُردوں کو زندہ کر کے دکھائے گا۔ اس کے سر کے بال گھنگھریالے ہوں گے اور اس کی سواری ایک بہت بڑا گدھا ہوگا جس کے کانوں کا درمیانی فاصلہ چالیس ہاتھ (ساٹھ فٹ) ہوگا۔

ایک روایت میں یہ فاصلہ اس سے کہیں زیادہ بیان ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَخْرُجُ الدَّجَّالُ عَلٰى حِمَارٍ اَقْمَرَ' مَا بَيْنَ اُذُنَيْهِ سَبْعُوْنَ بَاعًا)) (۱۱)

''دجال ایک سفید گدھے پر نکلے گا' جس کے دونوں کانوں کا درمیانی فاصلہ دونوں ہاتھوں کے ستّر پھیلاؤ کے برابر ہوگا۔''

اندازہ ہے کہ یہ ''گدھا'' کوئی تیز رفتار جیٹ طیارہ ہوگا اور اس کے کانوں سے مراد دونوں طرف لگے ہوئے راڈار ہو سکتے ہیں۔

پہلے پہل اس کا ظہور شام اور عراق کے درمیان کسی علاقے میں ہوگا' وہاں نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے بعد اصفہان کے ستّر ہزار یہودی اس کے تابع ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُوْدِ اَصْبَهَانَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ)) (۱۲)

''اصفہان کے ستّر ہزار یہودی دجال کی پیروی کریں گے' ان کے سروں پر سیاہ چادریں ہوں گی۔''

ابتدا میں ستّر ہزار یہودیوں کی ٹولی دجال کے تابع ہوگی' وہ اپنی خدائی کا دعویٰ کرے گا' ہر جگہ فتنہ وفساد برپا کرتا پھرے گا' ساری زمین پر گشت کرے گا' لوگوں کو اقرار کرنے کے لیے بلائے گا اور لوگوں کے امتحان کے لیے بڑے عجائبات دکھائے گا۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ ، فَوَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيْهِ وَهُوَ يَحْسِبُ اَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهُ مِمَّا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ اَوْ لِمَا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ))(۱۳)

''دجال کے متعلق جو شخص سنے اس سے دور بھاگے۔ پس اللہ کی قسم ایک آدمی اس کے پاس آئے گا اور وہ خود کو مؤمن سمجھتا ہوگا' لیکن اس کی شعبدہ بازیوں سے متاثر ہو کر اس کی پیروی اختیار کر لے گا۔''

مندرجہ بالا حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے پہل دجال کا ظہور کس روپ میں ہوگا۔ دجال پر کئی برس تحقیق اور غور وفکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دجال بظاہر ایک بلند پایہ صوفی لیکن حقیقتاً شعبدہ باز کے روپ میں ظاہر ہوگا۔ لوگوں کو ایسی ایسی کرامتیں دکھائے گا کہ لوگ اس پر اندھا دھند ایمان لے آئیں گے۔ موجودہ دور ہی کو دیکھ لیجیے' لوگ کس طرح قبر پرستی اور پیری مریدی میں مشغول ہیں۔ دجال تو پھر ایک زندہ انسان کے روپ میں ہوگا۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ اَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا خُرَاسَانُ يَتْبَعُهُ اَقْوَامٌ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ))(۱۴)

''دجال مشرق کی سرزمین سے نکلے گا جس کا نام خراسان ہے۔ بہت سی ایسی قومیں اس کی پیروی اختیار کریں گی' جن کے چہرے کوٹ کوٹ کر ہموار کی گئی ڈھال کی طرح چپٹے ہوں گے۔''

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ دجال ایک عالمگیر مذہبی رجحان کا حامل ہوگا۔ اس وقت عالمگیر مذہبی رجحان ایک ہی ہے جو تمام مذاہب کے ماننے والوں میں پایا جاتا ہے خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی۔ یہ عالمگیر مذہبی فتنہ ہر جگہ مختلف ناموں سے پایا جاتا ہے۔ یہ عالمگیر

فتنہ گانے بجانے اور رقص و دھمال پر مشتمل ''صوفی ازم'' ہے جو یہودیت' عیسائیت' اسلام' ہندومت' ستارہ پرست غرض یہ کہ ہر جگہ مختلف ناموں سے موجود ہے۔ اسلام میں اس فتنے کا آغاز قرونِ وسطیٰ کے دور میں ہوا تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَامَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِيْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا، فَاِنْ اَخَذْتُمْ يَمِيْنًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا))(۱۵)

''اے قرآن کے پڑھنے والو! سیدھے راستے پر جمے رہنا۔ تم تو بہت دور تک سبقت لے گئے ہو۔ پھر اگر تم اِدھر اُدھر' دائیں بائیں راستہ لو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے' بڑی دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔''

میری تحقیق کے مطابق فتنۂ صوفی ازم نے اسلام' عیسائیت اور یہودیت میں مختلف ناموں اور ہتھکنڈوں کے ساتھ جو تباہی و بربادی پھیلائی ہے اور پھیلائی جا رہی ہے' اس کے نتیجے میں انسان کو گمراہی ہی ملتی ہے' جس سے مندرجہ بالا حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے۔ جب انسان اچھی طرح گمراہ اور اندھا ہو جاتا ہے تو پھر دجال کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ گمراہی دجال کی جانب لے جانے والی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابًا دَجَّالًا، كُلُّهُمْ يَكْذِبُ عَلَى اللّٰهِ وَعَلٰى رَسُوْلِهٖ))(۱۶)

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تیس جھوٹے دجال نہ نکلیں گے' اور ان میں سے ہر ایک اللہ پر اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھے گا۔''

مندرجہ بالا حدیث انتہائی اہمیت کی حامل ہے' کیونکہ اس میں ان دجالوں کی جانب اشارہ ہے جو دین کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں' جھوٹ بولتے ہیں اور جو اللہ اور رسول کی مراد نہیں ہوتی وہ مراد بیان کرتے ہیں۔ دجال کے ظہور سے کچھ عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ لوگوں پر ناگہانی آفات نازل کرے گا تاکہ لوگوں کا امتحان لیا جائے۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلَاثُ سِنِيْنَ : سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَاءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا، وَالثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ

ثُلُثَیْ نَبَاتِهَا، وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا كُلَّهُ وَالْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهُ))(۱۷)

''دجال کے ظہور سے پیشتر تین سال ایسے ہوں گے کہ پہلے سال آسمان ایک تہائی بارش اور زمین اپنی ایک تہائی روئیدگی روک لے گی۔ دوسرے سال دو تہائی جبکہ تیسرے سال آسمان پوری بارش اور زمین اپنی پوری روئیدگی روک لے گی۔''

احادیث کی روشنی میں دجال کا جو معمہ سامنے آتا ہے اس سے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ دجال کا فتنہ دو پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ دجال کا انفرادی فتنہ اور دجال کا عالمگیر فتنہ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ساتھ کوئی حاشیہ نشین ریاست بھی ہوگی جس کے اختیار میں دنیا کی طاقت ہوگی۔ دجال سے متعلق احادیث سمجھنے میں مشکل اس لیے پیش آتی ہے کہ کہیں پر دجال انسان معلوم ہوتا ہے اور کہیں پر کوئی عالمگیر طاقت۔ موجودہ دور میں چونکہ کئی چہروں سے نقاب اتر چکے ہیں اس لیے اب ان احادیث کو سمجھنا قدرے آسان ہو گیا ہے۔

دجال کا یہودیوں سے بہت گہرا تعلق ہے' کیونکہ دجال یہودیوں کے ہاں پیدا ہوا تھا اور یہودی اپنے مسیح (میسایاح) کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کے نزدیک انہیں دنیا میں دوبارہ عزت دلائے گا۔ یہودیوں کا ایک باغی انتہا پسند فرقہ جو Zionists کے نام سے مشہور ہے' نے دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اپنے کچھ اصول وضع کیے تھے جو Zionists Protocols کے نام سے مشہور ہیں۔ آج یہودیوں کا یہ فرقہ اپنی مسلسل کوششوں اور حکمت عملی سے پوری دنیا پر حاوی ہو چکا ہے۔ یہ لوگ آج پوری دنیا کی معیشت اور نظام تعلیم پر قبضہ کر چکے ہیں۔ یہ لوگ بھی اپنے کسی بادشاہ کا انتظار کر رہے ہیں جو پوری دنیا پر حکمرانی کرے گا' تب یہ لوگ اپنے تمام مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کی طاقت کا اندازہ اسی بات سے لگا لیجیے کہ امریکہ جو اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور ہے وہ ان یہودیوں کا مقروض ہے اور اس کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے۔

امریکی حکومت کا ڈالر جو پوری دنیا میں بطور سرمایہ وزرِ مبادلہ استعمال ہوتا ہے' کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ ڈالر کہاں سے آتا ہے؟ امریکہ میں فیڈرل ریزرو (Federal Reserve) نامی ایک پرائیویٹ بینک ہے جو یہودیوں نے بنایا تھا اور آج بھی یہودیوں کی ملکیت ہے۔ یہ بینک امریکی حکومت کو ڈالر چھاپ کر دیتا ہے اور اس وقت امریکی حکومت فیڈرل ریزرو بینک کی کئی ٹریلین ڈالرز کی مقروض ہے۔ اب یہ حدیث مبارکہ ملاحظہ کریں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا سَاَلَ اَحَدُ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مَا سَاَلْتُهُ وَاِنَّهُ قَالَ لِیْ: ((مَایَضُرُّكَ مِنْهُ)) قُلْتُ: لِاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهَرَ مَاءٍ۔ قَالَ: ((هُوَ اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)) (۱۸)

''دجال کے بارے میں جتنا میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا اتنا کسی اور نے نہیں پوچھا۔ میں اکثر دجال کا حال آپؐ سے پوچھا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھ کو دجال سے کچھ ڈر نہیں (کیونکہ میں ابھی زندہ ہوں)''۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگ کہتے ہیں اس کے ساتھ روٹیوں کا ایک پہاڑ ہوگا اور پانی کی ندی ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک اس کی کچھ حیثیت نہیں۔''

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں تمثیلی استعارے بیان کیے گئے ہیں۔ روٹی اور پانی سے مراد معاشی نظام ہو سکتا ہے' یعنی دنیا کا معاشی نظام دجال کی دسترس میں ہوگا۔ اگر ہم دنیا کے موجودہ معاشی نظام پر نظر ڈالیں تو امریکی ڈالر دنیا کی معیشت میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے اور یہ ڈالر یہودیوں کا فیڈرل ریزرو بینک آف امریکہ (Federal Bank of America) امریکی حکومت کو چھاپ کر دیتا ہے' جبکہ یہودی اپنے کسی بادشاہ کا انتظار بھی کر رہے ہیں۔ اس حدیث کی جانچ پڑتال ایک دوسری حدیث کے ساتھ کی جائے جس میں بتایا گیا ہے کہ دجال کے آنے سے تین سال قبل دنیا شدید قحط کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ چنانچہ یہ واضح ہوتا ہے کہ دجال کے پاس ایسی معاشی طاقت بھی ہوگی کہ لوگ اس کی تقلید کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں گے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یَمْكُثُ اَبُوالدَّجَّالِ وَاُمُّهُ ثَلَاثِیْنَ عَامًا لَایُوْلَدُ لَهُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ لَهُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضَرُّ شَیْءٍ وَاَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَیْنَاهُ وَلَایَنَامُ قَلْبُهُ..... فَقَالَ اَبُوْبَكْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِی الْیَهُوْدِ بِالْمَدِیْنَةِ فَذَهَبْتُ اَنَا وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی اَبَوَیْهِ ..... فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَا: مَكَثْنَا ثَلَاثِیْنَ عَامًا لَایُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ.....)) (۱۹)

''دجال کے ماں باپ کے گھر تیس سال تک کوئی بچہ نہ ہوگا' پھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی ایک آنکھ خراب ہوگی' اس کا نقصان زیادہ ہوگا اور نفع کم۔ اس کی آنکھیں سوئیں گی مگر اس کا دل نہیں سوئے گا..... حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدینے میں

ایک یہودی کے گھر میں اسی قسم کے ایک لڑکے (ابن صیاد) کی پیدائش کی اطلاع سنی تو میں اور زبیر بن عوامؓ اس کو دیکھنے کے لیے گئے..... ہم نے ان سے پوچھا تمہارا کوئی بچہ ہے؟ انہوں نے کہا: تیس سال تک ہمارے کوئی بچہ نہ تھا' اب ایک کانا لڑکا پیدا ہوا ہے.....''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((فَقَدْنَا ابْنَ صَيَّادٍ يَوْمَ الْحَرَّةِ)) (۲۰)

''جب واقعۂ حرہ ہوا تو اس دن کے بعد سے ہمیں ابن صیاد کا پتا نہ چلا کہ وہ کہاں چلا گیا۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

.....قَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِيْ فَاَضْرِبَ عُنُقَهُ ، قَالَ: ((دَعْهُ اِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَا تُطِيْقُهُ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ فِيْ قَتْلِهِ)) (۲۱)

''.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ابن صیاد کو قتل کر دوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو' کیونکہ اگر یہ وہی شخص (دجال) ہے تو اس کو تم قتل نہیں کر سکتے (بلکہ ابن مریم ہی اس کو قتل کریں گے) اور اگر یہ وہ شخص نہیں ہے تو اس کے قتل میں کوئی خیر نہیں۔''

یعنی ذمیوں میں سے ایک شخص کو قتل کر دینے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔

ایک اہم منطقی دلیل

مندرجہ بالا احادیث میں ابن صیاد نامی ایک شخص کا ذکر آیا ہے جو مدینہ کے ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوا اور مسلمانوں کے ساتھ پلا بڑھا اور جوان ہوا تھا' جبکہ یزید بن معاویہؓ کے دور میں ہونے والے واقعۂ حرہ کے وقت اچانک غائب ہو گیا اور پھر کسی نے نہ دیکھا۔ اس شخص پر مسلمانوں خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شک تھا کہ یہی دجال ہے۔ ابن صیاد کا معاملہ مشتبہ ہے اور امام نوویؒ کا قول ہے کہ اگرچہ ابن صیاد کے ضمن میں وحی نازل نہیں ہوئی مگر اس میں شک نہیں کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ ابن صیاد کے واقعے میں ایک منطق پوشیدہ ہے اور وہ منطق یہ ہے کہ ابن صیاد کے واقعے سے یہ بات ظاہر کر دی گئی ہے کہ وہ انسان کے روپ میں آئے گا۔ آج جو دجال کو کوئی عالمگیر نظام تصور کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں' کیونکہ ابن صیاد کا واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دجال انسان کے روپ میں آئے گا۔ دجال کے انسانی شکل وصورت میں آنے کے بارے میں یہ بہت اہم منطقی دلیل ہے' جبکہ میرے پیش کردہ فلسفے میں

دجال سے متعلق جو منطق پیش کی گئی ہے وہ دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سے اخذ ہوتی ہے کہ قیامت آنے سے قبل ابلیس کی جانب سے (یعنی ابلیسی اولاد میں سے) ایک بلند پایہ ابلیسی نمائندہ کا دنیا میں آنا منطقی اصولوں کے مطابق ضروری ہے۔

حصہ سوم: خروجِ دجال

قیامت کی دس بڑی نشانیوں میں سے خروجِ دجال سب سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانی ہے۔ دجال خود یہودیٔ النسل ہوگا اور اس کے متبعین بھی سب یہودی ہوں گے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ دجال کا قتل حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابی بھی نہیں کر سکتا بلکہ اس کام کے لیے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقرر کیا گیا ہے جو اس جھوٹے مسیح کا خاتمہ کریں گے۔

مسیح دجال شام اور عراق کے درمیان ایک شگاف (راستے) سے نکلے گا۔ اس کے ہمراہ اصفہان کے ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر ''ک ف ر'' لکھا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

''جب سے دنیا وجود میں آئی ہے کوئی صدی ایسی نہیں گزری جس کے شروع میں کوئی اہم واقعہ پیش نہ آیا ہو۔ پس دجال بھی کسی صدی کے آغاز پر نکلے گا۔'' (۲۲)

امام رازی دجال کے متعلق فرماتے ہیں: ''جو شرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا وہ عروج تھا کہ آپ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ روح اللہ آسمان پر دشمنوں سے حفاظت کے لیے بلائے گئے تھے اور چوتھے آسمان تک گئے۔ اگر دجال پہلے سے پیدا کر کے خروج کے لیے مخفی و محفوظ کر دیا گیا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پہلے سے پیدا کر کے نزول کے لیے محفوظ و مخفی کر دیا گیا ہے تاکہ وقت پر ان کا ظہور ہو۔ پھر جیسے دجال کی پیدائش بظاہر خرقِ عادت طریق پر کی گئی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی بطور خرقِ عادت بلا باپ کے کی گئی ہے۔ دجال کو شیاطین کی خصلتوں کا مظہر ہونے کے سبب انہی سے مناسبت ہے اور شیاطین کی تخت گاہ سمندر ہے' اسی لیے دجال کو کسی سمندر کے ایک جزیرے میں قید رکھا گیا ہے تاکہ شیاطین سے اسے قرب حاصل رہے۔ جبکہ دوسری جانب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں میں محفوظ رکھا گیا ہے تاکہ ملائکہ سے انہیں قرب حاصل رہے۔ گویا ایک مسیح خلا سے گزر کر آسمانوں کے پردے میں ہے تو اس کے بالمقابل جھوٹا مسیح زمین سے گزر کر سمندر میں موجود ہے۔ ایک جنت کی بنیادوں پر ہے تو دوسرا

جہنم کی اساس پر۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جہاں دجال کے فتنے سے اُمت کو ڈرایا ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خوشخبری دے کر یہ تسلی دی ہے کہ وہی اس کا قتل کریں گے۔''

دجال اس وقت تک کسی جزیرے میں مقید ہے یا کسی سمندر کی تہہ میں موجود ہے۔ بعض کے نزدیک وہ ''برمودا مثلث'' میں موجود ہے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ کسی نامعلوم جزیرہ میں یہودیوں کی عبادت گاہ میں مقید ہے۔ (احادیث سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ کسی نامعلوم جزیرہ میں قید ہے۔)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((.....وَاِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ اَوْبَحْرِ الْيَمَنِ، لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ مَرَّتَيْنِ وَاَوْ مَأَ بِيَدِهِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ.....)) (۲۳)

''.....دجال شام کے سمندر میں ہے یا یمن کے سمندر میں ہے' نہیں بلکہ مشرق کی جانب ہے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔''

حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَيْنَ الْمَلْحَمَةِ وَفَتْحِ الْمَدِيْنَةِ سِتُّ سِنِيْنَ وَيَخْرُجُ الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ فِيْ السَّابِعَةِ)) (۲۴)

''جنگ عظیم اور قسطنطنیہ کی فتح کے درمیان چھ برس کا فاصلہ ہے اور ساتویں سال دجال نکلے گا۔''

مندرجہ بالا حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں جس جنگ عظیم کا ذکر کیا جا رہا ہے' غالباً یہ وہی جنگ ہے جو قیامت آنے سے قبل آخری بڑی جنگ ہوگی جو مسلمان یہودیوں اور بظاہر عیسائیوں کے خلاف لڑیں گے۔ اس جنگ کو یہودی آرمیگاڈان کا نام دیتے ہیں۔ یہ بہت مقدس جنگ ہوگی جس کے اختتام پر دجال منظر عام پر آئے گا۔

دجال کہاں پر ہے' حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا' لیکن اس بات میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ دجال اس وقت دنیا میں موجود ہے اور وقت مقرر پر نکلے گا۔ حتیٰ کہ میں یہ بات دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت موجودہ یہودیوں (اسرائیل) کے کچھ بڑے مذہبی افراد بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ دجال کہاں پر ہے اور کس حالت میں ہے۔ وہ اس کے لیے کام کرتے ہیں اور اس کو خبریں پہنچاتے ہیں۔ لیکن لوگ نہیں جانتے —— لوگ ہرگز نہیں جانتے کہ مشورے کہاں سے آتے ہیں —— لوگ بہت بے خبر ہیں اور سائنس و ٹیکنالوجی کے لبادے میں مدہوش ہیں۔

فتنۂ دجال

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل زوال پذیر ہوتے چلے گئے' یہاں تک کہ بابل اور اسیریا کی سلطنتوں نے انہیں غلام بنا کر زمین پر تتر بتر کر دیا۔ اس وقت انبیائے بنی اسرائیل نے انہیں خوشخبری سنائی کہ خدا کی طرف سے ایک مسیح آنے والا ہے جو ان کو ذلت سے نجات دلائے گا۔ اس پیشین گوئی کی بنا پر یہودی ایک ایسے مسیح کے انتظار میں تھے جو بادشاہ ہو' جنگ کر کے ملک فتح کرے' بنی اسرائیل کو دنیا کے مختلف گوشوں سے اکٹھا کر کے فلسطین میں جمع کرے اور یہودیوں کی ایک زبردست سلطنت قائم کرے۔ لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی جانب سے مسیح ہو کر آئے تو ان کے ہمراہ نہ تو لشکر تھا اور نہ ہی وہ بادشاہ تھے۔ یہود نے نہ صرف مسیح ابن مریم کو ماننے سے انکار کیا بلکہ اپنی دانست میں ان کو صلیب بھی دے دی (اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کو آسمانوں پر اٹھا لیا)۔

اس وقت سے آج تک دنیا بھر کے یہودی اپنے میسایاح کا انتظار کر رہے ہیں جس کے آنے کی خوشخبریاں انہیں دی گئی تھیں۔ ان کا ادب اس آنے والے دور کے سہانے خوابوں سے بھرا پڑا ہے۔ تلمود اور ربیوں کے ادبیات میں اس کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس کی خیالی لذت کے سہارے یہ صدیوں سے جی رہے ہیں اور اُمید کیے بیٹھے ہیں کہ ان کا مسیح ایک زبردست جنگجو اور سیاسی لیڈر ہوگا' جو دریائے نیل سے دریائے فرات تک کا علاقہ جس کو یہودی اپنی میراث کہتے ہیں' انہیں دلائے گا۔ وہ عرصہ دراز سے ''گریٹر اسرائیل'' کا نقشہ شائع کر رہے ہیں۔ یہودی خواہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو' اس کا عقیدہ ہے کہ ان کا مسیح آنے والا ہے۔ یہی تورات کا نقطۂ نظر ہے' لیکن یہودی اب جس مسیح کا انتظار کر رہے ہیں وہ مسیح ابن مریم نہیں بلکہ مسیح دجال ہے۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام اور ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس کو فتح کرنے سے پہلے یہودی ہر سال اجتماعی دعا کرتے تھے: ''اے خدایا! اگلا سال یروشلم میں''۔ یروشلم حاصل کرنے کے بعد اب وہ یہ دعا کر رہے ہیں: ''ہمارا مسیح آئے''۔ خروج دجال کے لیے سٹیج بالکل تیار ہو چکا ہے۔ یہودی دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ پر حاوی آ چکے ہیں۔ دنیا کے مالیاتی نظاموں پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ اسلامی ممالک میں صرف پاکستان اور ایران سے اسرائیل خطرہ محسوس کرتا ہے۔ اب یہی دو ممالک ان کے اصل اہداف ہیں جن پر قابو پانا باقی رہ گیا ہے'

لیکن اسرائیل کا اصل معرکہ پاکستان سے ہونا ہے۔ اسرائیل پاکستان کو ایران سے بڑا دشمن سمجھتا ہے۔ اس کی بے شمار وجوہات ہیں جن میں سے سب سے اہم اور عجیب وغریب وجہ یہ ہے کہ پاکستان نظریاتی اسلامی ملک ہے اور اسرائیل بھی نظریاتی ملک ہے۔ دنیا میں اللہ کے نام پر دو ریاستیں قائم ہوئیں۔ پہلی ریاست مدینہ میں اور دوسری ریاست ہندوستان میں پاکستان کے نام سے قائم ہوئی۔ مدینہ میں خیبر جو یہودیوں کا مسکن تھا اور مسلمانوں کے خلاف مشرکینِ مکہ (بت پرستوں) سے مل کر سازشیں کرتا تھا' آج کل یہ ''خیبر'' اسرائیل میں منتقل ہو چکا ہے جہاں سے یہودی بھارت (بت پرستوں) سے مل کر پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہیں۔ اس لیے پاکستان ٹارگٹ پر ہے۔ لیکن کسی کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ یہ ملک اللہ تعالیٰ نے اسی کام کے لیے بنایا ہے۔ اور آخر کار لڑائی تو ہوگی..... کیونکہ ابھی فتح مکہ (غزوۂ ہند) باقی ہے جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے کہ اس کے شہداء عظیم شہداء ہوں گے۔ ہندوستان ان شاءاللہ ضرور فتح ہوگا۔

مثلث کا راز (راز کی باتیں)

میں جن دنوں اپنی مابعد الطبیعیات مکمل کر رہا تھا' میری توجہ اچانک ایک ایسے مسئلے کی جانب مبذول ہوئی جس کا اگرچہ میری مابعد الطبیعیات سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن میرے وضع کردہ مابعد الطبیعیاتی اصول چند اہم حقائق سے پردہ اٹھا رہے تھے۔ میری پیش کردہ مابعد الطبیعیات کے مطابق کائنات کی حقیقت ایک مثلث ہے۔ اس مثلث میں اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے اوپر ہے۔ جبکہ ایک جانب دنیائے تصورات ہے اور دوسری جانب دنیائے موجودات۔ یہ سادہ سا اصول کائنات کی بہترین تشریح کرتا ہے اور بہترین نتائج دیتا ہے۔ اسرائیل کے جھنڈے پر بھی دو مثلثیں بنی ہیں' جو بقول یہودیوں کے ان کا مذہبی نشان ہے۔ اس مذہبی نشان کا کچھ مطلب ہے' جو لوگ نہیں جانتے' بلکہ عام یہودی بھی نہیں جانتے۔ صرف خاص یہودی جانتے ہیں کہ اس مذہبی نشان کا اصل مطلب کیا ہے۔ اسرائیل کے جھنڈے پر دو مثلثیں بنی ہیں' ایک سیدھی مثلث اور ایک الٹی مثلث۔ الٹی مثلث سیدھی مثلث کے اوپر پڑی ہے' جبکہ ایک نیلی پٹی اوپر کی جانب ہے اور دوسری نیلی پٹی نیچے کی جانب ہے۔ اسرائیل کے جھنڈے پر موجود سیدھی مثلث اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو ظاہر کرتی ہے' جو میری پیش کردہ کائناتی مثلث بھی کہلاتی ہے' جبکہ اس سیدھی مثلث کے مخالف الٹی مثلث دجال کی حاکمیت کو ظاہر کرتی

ہے۔ جھنڈے میں اوپر کی جانب نیلی پٹی آسمان کو ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر موجود ہے اور نیچے کی جانب نیلی پٹی سمندر کو ظاہر کرتی ہے' جو اس بات کی علامت ہے کہ دجال زمین کے اندر کسی سمندر میں موجود ہے۔ ایک آسمان کی بلندیوں پر ہے اور دوسرا زمین کی پستیوں میں ہے۔ چنانچہ یہ اسرائیلی نشان دراصل دجال کا نشان ہے۔

دنیا کے موجودہ حالات تیزی سے خروجِ دجال کی جانب جا رہے ہیں۔ اس وقت دنیا میں دجالی دور اور دجالی نظاموں کا آغاز ہو چکا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ یہودیوں کے ''میسایاح'' کی آمد آمد ہے' جس کا انتظار وہ صدیوں سے کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں عالمگیریت (Globalization) سب سے بڑا اور تباہ کن دجالی نظام ہے۔ اس نظام کا مقصد پوری دنیا کی سوچ' فکر اور تعلیم کو یکساں کرنا ہے۔ جب پوری دنیا کے لوگ ایک ہی طرح سوچنا شروع ہو جائیں گے تو پھر دجال باہر نکل آئے گا۔ ایک لمحے کے لیے سوچیں' کیا اکیسویں صدی کا انسان خواہ اس کا تعلق کسی بھی علاقے سے ہو' ایک ہی طرح سے سوچنا شروع ہو گیا ہے؟؟؟

نوٹ : اس مضمون میں مضمون نگار نے احادیث کا صرف ترجمہ نقل کیا تھا۔ احادیث کے عربی متن اور تخریج کا اضافہ ادارۂ میثاق کی طرف سے کیا گیا ہے۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب قتل الترك۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الفتن' باب خروج النار۔ وصحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من ارض الحجاز۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الجزیة' باب ما یحذر من الغدر۔ ومسند احمد' ح ۲۲۸۶۰۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب کیف آخی النبی ﷺ بین اصحابه۔ ومسند احمد' ح ۱۱۶۱۵۔

(٥) سنن ابی داوٗد' باب ذکر الفتن ودلائلها۔

(٦) مسند احمد' ح ۱٤۷' کتاب مسند العشرة المبشرین بالجنة' باب اول مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

(۷) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول اللّٰه تعالیٰ **اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ**۔ وسنن الترمذی' ابواب الفتن' باب ما جاء فی علامة الدجال۔

(۸) صحیح مسلم‘ کتاب الفتن واشراط الساعة‘ باب ذکر الدجال وصفته ومامعه۔ وسنن الترمذی‘ ابواب الفتن‘ باب ما جاء فی فتنة الدجال۔
(۹) صحیح البخاری‘ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة‘باب من رآی ترك النکیر من النبی ﷺ حجة.....وصحیح مسلم‘کتاب الفتن واشراط الساعة‘باب ذکر ابن صیاد۔
(۱۰) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الملاحم‘باب خروج الدجال۔ومسند احمد‘ ح۲۱۷۰۱۔
(۱۱) رواه البیهقی فی کتاب البعث والنشور۔ مشکاة المصابیح‘ کتاب الفتن‘باب العلامات بین یدی الساعة وذکر الدجال۔
(۱۲) صحیح مسلم‘کتاب الفتن واشراط الساعة‘باب فی بقیة من احادیث الدجال۔
(۱۳) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الملاحم‘باب خروج الدجال۔
(۱٤) سنن الترمذی‘ کتاب الفتن عن رسول اللّٰہ ﷺ‘ باب ما جاء من این یخرج الدجال۔
(۱۵) صحیح البخاری‘ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة‘باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰہ ﷺ۔
(۱٦) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الملاحم‘باب فی خبر ابن صائد۔
(۱۷) رواه احمد فی المسند۔ مشکاة المصابیح‘ کتاب الفتن‘ باب العلامات بین یدی الساعة وذکر الدجال۔
(۱۸)صحیح البخاری‘ کتاب الفتن‘ باب ذکر الدجال۔ وصحیح مسلم‘کتاب الاداب‘باب جواز قوله لغیرابنه یا بنی.....
(۱۹)سنن الترمذی‘ کتاب الفتن عن رسول اللّٰہ ﷺ‘ باب ما جاء فی ذکر ابن صائد۔
(۲۰)سنن ابی داوٗد‘ کتاب الملاحم‘باب فی خبر ابن صائد۔
(۲۱)صحیح البخاری‘ کتاب القدر‘ باب یحول بین المرء وقلبه۔وسنن ابی داوٗد‘ کتاب الملاحم‘باب فی خبر ابن صائد۔
(۲۲) الحاوی للسیوطی‘ ج۲۔
(۲۳)سنن ابی داوٗد‘ کتاب الملاحم‘باب فی خبر الجساسة۔
(۲٤)سنن ابی داوٗد‘ کتاب الملاحم‘باب فی تواتر الملاحم۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بقیہ : عرضِ احوال

آج اُمّتِ مُسلمہ خصوصاً ہم پاکستانی ایسے نظام میں جکڑے ہوئے ہیں جو استحصالی ہے۔ استعمار کے ایجنٹوں نے انسانوں کی گردنوں پر پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔اس باطل نظام نے انسان کے منہ کو انسان کا خون لگا دیا ہے۔لہٰذا سیاسی سطح پر ظلم ہے‘ جبر ہے‘ درندگی اور بربریت ہے۔معاشی سطح پر استحصال ہے اور لوٹ مار ہے۔معاشرتی سطح پر عدمِ مساوات ہے‘ عریانی اور بے حیائی ہے۔جبکہ قرآن نے انسان کو جو عدل وقسط پر مبنی نظام دیا‘ جسے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد سے قائم ونافذ کیا‘ وہ عملاً آج قریباً متروک ہو چکا ہے۔اب اگر آج کوئی نعت خوان کسی ظالم وجابر اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ سے یکسر متصادم اور متضاد نظام کے علمبردار حاکم کے مرمریں محل میں نعتِ رسولؐ پیش کرے اور داد پائے تو اگرچہ ہم فتویٰ دینے کی پوزیشن میں نہیں‘ لیکن عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ ہم سمجھیں کہ یہ دین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ہمارا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ ہم عدل وقسط پر مبنی اس نظام کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں جس کی خاطر آپ ﷺ مکہ کی گلیوں میں کانٹوں پر چلے‘ طائف میں سنگ باری برداشت کی‘ حرم میں اونٹ کی اوجھڑی تلے دبے‘ اُحد میں دندانِ مبارک شہید کروائے اور غزوۂ احزاب کے موقع پر پیٹ پر دو دو پتھر باندھے۔آیئے سیرتِ مبارکہ کے اس پہلو پر غور کریں اور سُنّتِ رسولؐ کو اپنا کر اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کریں اور اپنے وطن اور دنیا کو جنّت نظیر بنائیں۔تب ہماری زبان کو زیب دے گا کہ ہم کہیں ؎

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی!

باطل نظام کے خاتمہ اور نظامِ حق کے غلبہ کی جدّوجُہد ہمارا دینی فریضہ ہے۔یہ آپؐ کی مستقل سنت بھی ہے۔اگر ہم اس کے لیے تیار نہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا کیے گئے نظام کی بجائے باغیانہ نظام ہی کو سینے سے لگائے رکھنے پر مُصِر ہیں اور اس کے باوجود عشقِ رسول کا دعویٰ ہے، تو پھر ہمیں اس پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ کہیں ہم اپنے آپ کو دھوکہ تو نہیں دے رہے ہیں؟—— یہ خود فریبی ہمیں کسی بڑے خسارے سے دوچار نہ کر دے!

❁❁❁

Feb. 2013
Regd. CPL No. 115
vol. 62
No. 2

Monthly Meesaq Lahore

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیں۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042
maktaba@tanzeem.org

نزلہ، زکام،
گلے کی خراش اور کھانسی!

Take NO Tension

Take Sudin
With TOOT SIYAH efficacy